ازدواجی زندگی: مسائل اور حل

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

نام کتاب: ازدواجی زندگی: مسائل اور حل

مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

موبائل: 03004093026[واٹس ایپ اور میسج کے لیے]

ناشر: دار الفکر الاسلامی

صفحات: 80

قیمت: 100روپے

طبع اول: جنوری،2018ء

ای میل: mzubair@ciitlahore.edu.pk

hmzubair2000@hotmail.com

مصنف کی کتب کے ملنے کا پتہ:

☆ مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔04237244973; 03218661763

☆ نسیم نثار ہائی اسکول، نزد ہمدرد چوک، نیوٹاؤن شپ، لاہور۔03004093026

☆ مکتبہ اسلامیہ، کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔0412631204

مصنف کی دیگر کتب:

☆ وجود باری تعالیٰ: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں

☆ صالح اور مصلح: کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر تزکیہ نفس اور اصلاح احوال کا پروگرام

☆ اسلام اور مستشرقین

☆ فکر غامدی: ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

☆ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج

مصنف کی جملہ کتب کے پی ڈی ایف ورژن کا ڈاؤن لوڈ لنک:

http://kitabosunnat.com/musannifeen/muhammad-zubair-temi.html

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

[الروم: 21]

”اور اللہ عزوجل کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری اپنی جانوں سے تمہارے لیے جوڑے [شوہر اور بیوی] بنائے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور اس نے میاں بیوی کے مابین محبت اور الفت ڈال دی۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔“

انتساب

اہلیہ محترمہ کے نام

دعاء ہے کہ اللہ عزوجل مجھے ان کے حق میں اچھا شوہر بنائے جیسا کہ وہ میرے لیے بہترین بیوی ہیں۔

فہرست مضامین

مقدمہ.. 1

بیوی اور شوہر 2

قطع تعلقی اور ناراضگی 2

محبت اور دعاء 2

بیوی کی دینداری 2

باپ اور اولاد 2

حجاب اور زینت... 3

ٹائٹس کا فتنہ 3

جذبات کی زبان 3

ازدواجی زندگی اور سمجھنے کی چند باتیں... 6

عورت: لوئر، مڈل اور ہائر کلاس میں 12

میاں بیوی کے اختلافات... 13

میاں بیوی کے حقوق 20

طلاق اور خلع کی وجوہات: جنس اور عشق... 23

میاں بیوی کا تعلق 26

میاں بیوی کی کاؤنسلنگ 27

بیوی/شوہر پر بلاوجہ کی ٹینشن نہ نکالیں 28

بیوی کے ساتھ زبردستی کرنا... 30

بیوی اور جنسی تشدد... 33

میاں بیوی میں اورل سیکس 34

ساس، سسر کی خدمت کرنا 37
کیا ساس، سسر کی خدمت واجب ہے؟ 39
دوسری شادی: خیال یا وسوسہ 41
محبت اور شادی 42
شادی کے مسئلہ میں لڑکی اور والدین کا اختلاف 45
ستر و حجاب اور پردے کے احکامات میں غلو اور اس کے اثرات 46
شادی کی مناسب عمر کیا ہے؟ 50
کنواروں اور کنواریوں کی خدمت میں 51
شادی کس سے کریں؟ 53
دین دار لڑکے شادی کی خواہش کرنے والی لڑکیوں کی خدمت میں 54
کورٹ میرج کے بارے ایک غلط فہمی 56
میڈم، مجھے لڑکے پسند ہیں! 57
یونیورسٹی کلچر اور لڑکے لڑکیوں کی پاکیزہ دوستیاں 61
محبت نیوز: کیمرہ ویمن، شرم و حیاء کے ساتھ، عفیفہ شمسی 64
منہ بولی بہن 69
غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا 71
مسجد اور کلچر 72
خوش رہنا سیکھیں! 73
استخارہ 75
خلاصہ کلام 77

مقدمہ

بلاشبہ ہماری سوسائٹی میں اس وقت خاندان کا ادارہ بری طرح سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ سال بھر میں اتنی شادیاں نہیں ہوتیں کہ جتنی طلاقیں یا علیحدگیاں ہو جاتی ہیں۔ شوہر کو بیوی سے شکایات ہیں اور بیوی کو شوہر سے۔ شوہر کا کہنا ہے کہ بیوی اس کے حقوق ادا نہیں کرتی تو بیوی کا کہنا ہے کہ شوہر اس کے حقوق ادا نہیں کر رہا۔ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے بارے میں نفرت اور غصے کے جذبات سے بھرے ہوئے ہیں اور انہی کیفیات کے ساتھ یا تو علیحدہ ہو جاتے ہیں یا پھر کڑھ کڑھ کر اور سڑ سڑ کر زندگی کے دن گزارتے رہتے ہیں۔

ایسے میں نہ صرف وہ خود نفسیاتی مریض بن جاتے ہے بلکہ روز روز کے لڑائی جھگڑے دیکھ کر اولاد میں بھی ابنارمل ایٹی چیوڈ پروان چڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ تو یہ وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے کہ مذہب اور نفسیات کی روشنی میں میاں بیوی کے مسائل اور ان کے حل کو ڈسکس کیا جائے۔ اور اس بارے بڑے بڑے شہروں میں ایونٹ کمپلیکسز یا شادی ہالز میں ایک روزہ میریٹل لائف ورکشاپس کروائی جائیں کہ جن میں بکھرے ہوئے خاندانوں (broken families) یا وہ جو ٹوٹنے کے قریب پہنچ چکے ہیں، کے ایشوز کو ایڈریس کیا جائے اور مذہب اور سائیکالوجی کی روشنی میں ان کی رہنمائی کی جائے۔

بہر حال یہ کام تو کسی ادارے کے کرنے کا ہے لیکن جو میں کر سکتا تھا، وہ یہ کہ اس بارے کئی ایک فیملیز کی کاؤنسلنگ کا موقع ملا اور اس کے نتیجے میں "ازدواجی زندگی: مسائل اور حل" کے عنوان سے ایک مختصر تحریر مرتب کر دی ہے کہ جس سے میاں بیوی کو اپنے مسائل سمجھنے اور انہیں حل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ اور کتاب جلد ختم کرنے کی بجائے لفظوں پر غور کر کر کے مطالعہ کریں کہ بعض مقامات پر بات گہری ہے، اس سے باہمی مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

یہ کتابچہ دراصل میری ان تحریروں کا مجموعہ ہے جو ازدواجی زندگی کے مسائل اور حل کے حوالے سے میری دو کتابوں "صالح اور مصلح" اور "مکالمہ" میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان تحریروں کی اہمیت کے پیش نظر انہیں اب علیحدہ کتابچے کی صورت میں پبلش کیا جا رہا ہے۔ ہر شادی شدہ کو اور جس کی شادی قریب ہے، اس کتابچے کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، بہت فائدہ ہو گا، ان شاءاللہ۔

بیوی اور شوہر

ہمارے ناول نگاروں اور شاعروں نے محبوبہ کی محبت کو بہت آئیڈیلائز بھی کیا ہے اور فلوسوفائز بھی لیکن بیوی کی محبت کو نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں اس کا تجربہ نہیں ہوا، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ یہ اس محبت کے راز جان نہ سکے۔ طلاق یا عارضی علیحدگی (sepration) کے بعد کی ذہنی اور قلبی اذیت بتلا رہی ہے کہ محبت بہت شدید تھی۔

قطع تعلقی اور ناراضگی

قطع تعلقی میں عجلت سے کام نہ لو، چاہے اس کے اسباب کچھ بھی ہوں، کہ توڑنے کے بعد احساس ہو گا کہ تعلق کتنا گہرا اور سچا تھا۔ رہی ناراضگی تو اس سے مت ڈرو کہ وہ سچے تعلق کو مزید مضبوط کر دیتی ہے، چاہے وہ اولاد اور والدین کا ہو، میاں بیوی کا ہو، استاذ شاگرد کا ہو یا دوست کا دوست سے ہو۔

محبت اور دعا

جس نے بھی کہا درست کہا ہے کہ جس کے لیے تم تنہائی میں دعا کرتے ہو، تمہیں اس سے محبت ہے، چاہے والدین ہوں، اساتذہ ہوں، اولاد ہو، بہن بھائی ہو، شریک حیات ہو یا دوست ہو۔ اور جتنے جذب سے کرتے ہو، اتنی ہی شدید ہے۔ اور اگر نہ بھی ہو تو اس عمل سے ضرور پیدا ہو جائے گی۔

بیوی کی دینداری

جو اپنے آپ کو اپنی بیوی سے زیادہ دیندار سمجھتا ہو، وہ عموماً نیک ہونے کے وہم میں مبتلا رہتا ہے۔ اور جو مذہبی آدمی اپنی بیوی کو اپنے سے نیک سمجھتا ہو، اس میں تم عاجزی ہی پاؤ گے۔

باپ اور اولاد

ادیبوں نے معروف کرر کھا ہے کہ ماں کی محبت اولاد سے زیادہ ہوتی ہے لیکن میرا مشاہدہ یہ ہے کہ کبھی ماں کی زیادہ ہوتی ہے اور کبھی باپ کی، یہ حالات ہیں جو اس کا تعین کرتے ہیں۔ کبھی بچہ رات بھر بیمار رہتا ہے، ماں کی آنکھ لگ جاتی ہے، لیکن باپ کی نہیں، چاہنے اور حالات کے

باوجود بھی نہیں۔

حجاب اور زینت

مرد کی زینت داڑھی میں ہے اور عورت کی حجاب میں۔ اور حجاب نہ صرف محبوب کے جمال کو بڑھادیتا ہے بلکہ عاشق کی طلب کو بھی۔ شاید اللہ کے حجاب میں رہنے کی یہی حکمت ہے۔ کاش کوئی بے حجاب عورتوں کو بھی یہ سمجھادے۔

ٹائٹس کا فتنہ

عورتوں کے ٹائٹس (tights) پہننے سے جو بے حیائی پھیلی ہے، وہ ان کی برہنگی (nudity) سے بھی نہیں پھیلی تھی۔ مرد کو ٹائٹس پہنی عورت میں، برہنہ عورت سے بڑھ کر جنسی کشش محسوس ہوتی ہے، اس پر بہت جلد ماہرین نفسیات کا اتفاق ہو جائے گا۔[1]

جذبات کی زبان

عورت کے کمیونیکیشن ٹولز میں سے اہم ترین "جذبات" ہیں۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ پل بھر میں کیا سے کیا ہو جاتی ہے اور آپ حیران ہی رہ جاتے ہیں کہ لمحوں میں ہو کیا گیا ہے؟ اگر اپنی بیوی سے اچھے طریقے سے چلنا ہے تو عورت کی کمیونیکیشن کے طریقے کو سمجھنا ہو گا۔

پس لفظ، لاجک، ریزن، نصیحت، مکالمہ وغیرہ کو ایک طرف رکھو اور جذبات کو ہینڈل اور ڈیل کرنا سیکھو تو یہ تمہیں ہمیشہ تمہاری ہی بیوی لگے گی۔ تو بیوی سے جب اختلاف ہو، اسے سمجھانے کی

[1] ٹائٹس کے فتنے کا ازدواجی زندگی(marital life) سے کیا تعلق ہے؟ تو بہت گہرا تعلق ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں ہم نے یہی عرض کیا ہے کہ کتاب کے الفاظ کی اہمیت آپ پر اس وقت واضح ہو گی جبکہ آپ اس کے الفاظ کو اپنی زندگی سے متعلق (relate) کر لیں گے۔ مثلا اس میں ایک رہنمائی تو یہ ہے کہ بیویوں کو چاہیے کہ اپنے شوہروں کی جنسی ضرورت پوری کرنے میں ان سے تعاون کریں کہ میڈیا اور ماحول نے مرد کی جنسی خواہش کو بھڑکانے کا خوب سامان پیدا کر دیا گیا ہے۔ عموما یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ عورتیں مرد کی جنسی ضرورت اور آزمائش کو نہیں سمجھ پاتیں یا سمجھ پاتی تو ہیں لیکن آپس کی لڑائی میں اسے شوہر کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرتی ہیں یا اپنے حالات سے تنگ اور دل کی آمادگی نہ ہونے کی وجہ سے اسے نفس کا بندہ اور جنسی حیوان کہتی رہتی ہیں کہ جس کے ردعمل میں شوہر صاحب باہر کی عورتوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور اب بیوی صاحبہ کو تکلیف ہوتی ہے کہ یہ حرام کام کر رہا ہے حالانکہ اس کے حرام کی طرف جانے کی ایک بڑی وجہ خود بیوی کا رویہ بھی ہوتا ہے۔

بے وقوفی نہ کرنا۔

اسٹیون ہاکنگ تک نے لکھا ہے کہ میں کائنات کے رازوں سے اتنا ہی ناواقف ہوں جتنا کہ ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کے اگلے اور فوری رد عمل سے۔ لیکن اس کی وجہ سے بیوی کو طعن نہیں کرنا چاہیے کہ یہ اس کی تخلیق ہے اور وہ اپنی اس تخلیق میں مجبور ہے کہ اس کے رب نے اسے اور اس کے ذریعے بہت سوں کو اسی رستے سے آزمانا تھا۔

تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے کون سے لفظ سے اس کا اچھا بھلا موڈ خراب ہو جائے لیکن کچھ الفاظ ہیں کہ جن سے تم اس کا موڈ ایک منٹ میں ٹھیک کر سکتے ہیں، ان الفاظ کو سیکھو۔ ان کا تعلق لاجک، ریزن اور نصیحت سے نہیں، بلکہ اس کے جذبات سے ہے۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ "غلطی میری تھی۔"

اب آپ کہیں گے کہ میں یہ سب کیوں کروں؟ میں نے اس کا کوئی ادھار دینا ہے کیا؟ یہ بات تو درست ہے کہ آپ نے اس کا ادھار نہیں دینا لیکن یہ سب کچھ کرنے کی ایک وجہ مذہب میں ہمارے پاس موجود ہے اور وہ یہ کہ عورت کو مرد کی نسبت زیادہ کمزور پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ عورت کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اور اگر تم پسلی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی تو عورتوں کے بارے میں نصیحت حاصل کر لو۔

تو یہ روایت اس بارے واضح ہے کہ عورت کے مزاج میں پیدائشی طور پر کچھ پیچیدگی (complication) موجود ہے لہٰذا وہ اس بارے وہ معذور ہے کہ یہ اس کی تقدیر ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے اسی طرح پیدا کیا ہے تا کہ اس کی آزمائش ہو اور اس کے ذریعے مرد کی آزمائش ہو۔ تو آخر کو وہ عورت ہے لہٰذا عورت ہی رہے گی لیکن میں اس کی کمزوری کے مقابلے میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کر کے اپنی اصلاح کر سکتا ہوں۔

عظیم فلسفی سقراط کے بارے کہا جاتا ہے کہ اس نے یونان کی بد تمیز ترین عورت سے شادی کی تھی کہ اس کا کہنا تھا کہ میں اس کے ذریعے صبر و تحمل سیکھنا چاہتا ہوں۔ پس اس کی بیوی لڑائی

جھگڑے میں اس کو خوب لعن طعن کرتی' اس قدر کہ وہ خود مارے غصے کے بے ہوش ہو جاتی۔ اور پھر سقراط اس کو پانی پلاتا اور وہ ہوش میں آ کر اس کا شکریہ ادا کرتی تھی۔

خیر یہ تو ایک انتہاء ہے' ظاہری بات ہے کہ نہ سب مرد سقراط جیسے ہوتے ہیں اور نہ سب عورتیں اس کے بیوی جیسی لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مرد اگر چاہے تو بیوی کی فطری کمزوری کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ اور اگر چاہے تو اس کی کمزوری کو گھر توڑنے کا بہانہ بنا لے۔ اور وہ کمزوری بھی ایسی کہ جو خود خدا نے اس میں رکھی ہے تا کہ مرد کی آزمائش ہو سکے۔ اور اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہے کہ مرد اسے اس کا طعنہ دے۔

مرد کے لیے واقعتاً یہ مشکل ہے کہ وہ باہمی لڑائی جھگڑے میں عورت کو کوئی جذباتی جملہ کہے کہ جس میں اپنی کمزوری اور غلطی کا اعتراف کرے یا بیوی کی تعریف اور تحسین کرے لیکن یہی ایک لمحہ ہے کہ جس میں مرد واقعتاً لمحے بھر میں ایک بہت بڑے جھگڑے کو ختم کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ کوئی جذباتی جملہ کہہ دے' بھلے تکلف سے کہہ دے' مصنوعی طور پر کہہ دے' اوپر سے کہہ دے۔ یہی وہ شوہر ہے کہ جسے بیوی اچھے لفظوں میں یاد رکھتی ہے' اور اسے دل سے اپنے حق میں اچھا شوہر سمجھتی ہے' چاہے زبان سے اس کی تعریف نہ بھی کرے۔

ایسے ہی شوہر کے بارے بیوی کا خیال ہوتا ہے کہ وہ مشکل وقت میں اس کے کام آیا۔ اور بیوی کا مشکل ترین وقت وہی لڑائی کا وقت ہوتا ہے کہ جس میں وہ غلطی پر ہونے کے باوجود غلطی ماننا نہیں چاہتی بلکہ منوانا چاہتی ہے۔ اسے عورت کی نفسیات کہہ لیں یا غلط فہمی کہہ لیں یا اپنے آپ سے جھوٹ کہہ لیں لیکن یہ بات طے ہے کہ اسے اطمینان اسی سے ہوتا ہے اور اسے اندر تک سکون بھی اسی سے ملتا ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ لڑائی میں مرد غلطی پر ہے اور یہ ثابت بھی مرد کی زبانی ہی ہو۔

اس کی نفسیاتی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ وہ مرد کی نسبت پیدائشی طور کمزور ہے لہٰذا کمزور کا اپنی کمزوری کو مان لینا اسے خوف میں مبتلا کر سکتا ہے یعنی اپنے جائز حقوق کے غصب ہو جانے کا خوف کیونکہ میاں بیوی کا تعلق عام طور مقابلے کا تعلق ہوتا ہے نہ کہ خیر خواہی کا۔ اگرچہ ان کا

تعلق ہونا خیر خواہی کا چاہیے لیکن میں یہ بیان کر رہا ہوں کہ عملاً ایسا نہیں ہوتا ہے۔

ازدواجی زندگی [marital life] اور سمجھنے کی چند باتیں

غیر شادی شدہ طلباء اکثر اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جب وہ اپنے دوستوں یا سہیلیوں یا رشتہ داروں میں سے کسی شادی شدہ کی لائف کو دیکھتے ہیں تو وہ شادی کے بارے اتنے منفی ہو جاتے ہیں کہ انہیں لگتا ہے کہ شادی شاید مسائل کا انبار ہی ہے لہذا اس سے دور ہی رہو۔ تو ایسے غیر شادی شدہ طلباء کی رہنمائی کے لیے کچھ باتیں پیش خدمت ہیں کہ جن کے مطالعہ سے شادی شدہ زندگی کے بارے ان کی منفیت ختم نہ سہی لیکن کم ضرور ہو جائے گی؛-

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک غیر شادی شدہ کے لیے ایک شادی شدہ کے مسائل کو سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے غیر شادی شدہ بھلے ارسطو ہی کیوں نہ ہو، اسے کسی شادی شدہ کی کسی صورت کاؤنسلنگ نہیں کرنی چاہیے الا یہ کہ کوئی عمومی بات کر دے جیسے قرآن مجید کی آیت سنا دی یا حدیث بتلا دی تو اس میں حرج نہیں ہے۔ اصولی بات یہی ہے کہ لیس الخبر کالمعاینة، یعنی خبر سے حاصل شدہ علم اور مشاہدے اور تجربہ کا علم برابر نہیں ہوتا ہے، دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ کچھ چیزیں خبر سے منتقل نہیں ہو پاتی ہیں بلکہ ذاتی تجربہ سے ہی منتقل ہوتی ہیں جنہیں ہم احوال اور کیفیات کہتے ہیں۔ تو شادی شدہ کے احوال اور کیفیات، غیر شادی شدہ کو منتقل نہیں ہو سکتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ازدواجی زندگی کے مسائل حل کرنے میں کئی ایک پہلو اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، ان میں سے ایک مرد اور عورت کی شخصیت کا مطالعہ ہے۔ دونوں کی نوع چونکہ فرق ہے لہذا میاں بیوی کو عموماً اس بات کا احساس نہیں ہو پاتا کہ مرد اور عورت دونوں کا مزاج اور سوچنے کا انداز تک فرق ہوتا ہے۔ وہ ایک ہی بات کو مختلف طرح سے لیتے ہیں؛ ایک بات ایک کے نزدیک اہم ہے تو دوسرے کے نزدیک فضول ہے۔ تو مرد کے لیے ضروری ہے کہ عورتوں کی نفسیات کو جانتا ہو یعنی ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر نظر رکھتا ہو اور عورت کے لیے ضروری ہے کہ مردوں کی دنیا سے واقف ہو یعنی ان کی نفسیات سے آگاہی رکھتی ہو۔ تو دونوں جب تک ایک دوسرے کی شخصیت سے واقف نہیں ہوں گے تو مسائل اپنی جگہ برقرار رہیں گے۔ دونوں کو یہ بات اچھی طرح

سمجھ لینی چاہیے کہ مردوں کی اپنی دنیا ہے اور عورتوں کی اپنی دنیا ہے۔ دونوں ازدواجی زندگی کے بعد ایک دوسرے کی دنیا دیکھنے کا آغاز کرتے ہیں لیکن اس کو سمجھنے میں انہیں دس سال لگ جاتے ہیں اور یہ سمجھ اس لیے جلد مکمل نہیں ہو پاتی ہے کہ دونوں کا رشتہ مسابقت اور مقابلے کا ہوتا ہے۔

تو دوسری بات سے تیسری بات یہ نکلی کہ ازدواجی زندگی کی سوجھ بوجھ اور بصیرت میں اضافہ کرنے کی خواہش ہو تو اس کا بہترین ذریعہ معاشرت ہے مثلاً شوہر اپنے شادی شدہ دوستوں اور عورت اپنی شادی شدہ سہیلیوں سے سیکھ سکتی ہے بشر طیکہ وہ سمجھ دار اور تجربہ کار ہوں۔ پس معاشرت کو بہتر کیا جائے یعنی انفرادیت (individualism) سے نکلا جائے اور اچھی فیملیز جو کہ آپ کے رشتہ داروں میں ہوں یا پڑوسیوں میں یا دوستوں میں، ان کی طرف آنا جانا رہے تو دوسرے جوڑوں (pairs) کے رویوں سے سیکھنے کا موقع ملے گا اور سمجھ جلد مکمل ہو گی کہ یہاں آپ کا رشتہ مخاصمت کا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بیوی کے حق میں کوتاہی کر رہے ہوں لیکن یہ بات آپ کو اس وقت زیادہ بہتر سمجھ آتی ہے جب آپ اپنے دوست کا رویہ اس کی بیوی کے حق میں اس سے مختلف دیکھتے ہیں کہ جو آپ کا ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے حق میں کوتاہی کر رہی ہو لیکن اپنی کسی سہیلی کے اس کے شوہر کے حق میں رویے کو دیکھ کر اسے اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو۔ اسی بات کو حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ مومن، مومن کے لیے آئینہ ہے یعنی ایک مومن دوسرے مومن کی رویوں کو دیکھ کر اپنے رویوں کی اصلاح کر لیتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ میاں بیوی کے مسائل کبھی ختم نہ ہوں گے، کیا ازواج مطہرات کے رویوں کو قرآن مجید میں زیر بحث نہیں لایا گیا؟ تو میاں بیوی کو اللہ عزوجل نے ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ اس لیے یہ مت سمجھیں کہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا تو گھر میں سکون ہو جائے گا ۔ایسا سکون بھی عارضی ہی ثابت ہو گا کہ کچھ عرصہ بعد پھر لڑائی ہو جائے گی۔ جب لڑائی کی کوئی وجہ ہو گی، تب بھی ہو گی اور بلاوجہ بھی ہو گی کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ یکسانیت سے اکتاہٹ اور بیزاری محسوس کرتا ہے، ایک جیسے ماحول سے تنگ آ جاتا ہے۔ پس بعض اوقات تو میاں بیوی کو یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ لڑائی کی وجہ نہیں تو پھر کیوں لڑ رہے ہیں؟ اس کی وجہ انسانی مزاج کی فطری

کمزوریاں بھی ہیں۔ تو بس اتنا کافی ہے کہ اگر میاں بیوی کی لڑائی کے بعد صلح کے نتیجے میں ان کا تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہو رہا ہے تو یہی مطلوب ہے کہ جیسے گناہ کے بعد توبہ آپ کو اللہ کے اور نزدیک کر دے تو اب گناہ پر کیا پچھتانا اور افسوس کرنا! تو میاں بیوی میں اگر لڑائی نہ ہو گی تو شاید وہ خودکشی کا سوچیں گے لہذا صحت مند ذہن لڑائی کا ہونا ضروری ہے لیکن جس طرح بالکل لڑائی نہ ہونا یا مسائل کا نہ ہونا بھی ایک انتہا اور آئیڈیلزم ہے تو بات بات پر لڑائی اور روز روز کی گالم گلوچ اور مار کٹائی تو یہ ایک دوسری انتہا ہے۔ یہ بھی درست نہیں ہے کہ یہ رویہ بھی زندگی کو عذاب بنا دیتا ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے دونوں کے لیے علیحدگی کا راستہ رکھا ہے؛ مرد کے لیے طلاق، عورت کے لیے خلع۔ مرد اگر بیوی سے تنگ ہے اور طلاق نہیں دے رہا تو اسے بیوی سے کچھ مل رہا ہے تو تبھی تو طلاق کا رخ نہیں کر رہا ہے۔ اسی طرح سے اگر عورت تنگ ہے اور وہ خلع نہیں لے رہی تو اس کا مطلب ہے کہ اسے شوہر سے کچھ خیر مل رہا ہے کہ جس کو وہ گنوانا نہیں چاہتی ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ شوہر سے علیحدگی کی صورت میں اس کا نقصان زیادہ ہے، لہذا وہ بڑے نقصان سے بچنا چاہتی ہے اور چھوٹا نقصان برداشت کر رہی ہے یعنی شوہر کے ساتھ رہنا۔ تو یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب دونوں اکٹھے رہ رہے ہیں تو کسی نہ کسی درجے میں انہیں ایک دوسرے سے فائدہ پہنچ رہا ہوتا ہے اگرچہ وہ لڑائی میں اس باہمی فائدے کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

چھٹی بات یہ ہے کہ اگر آپ کے جاننے والے پچاس لوگ شادی شدہ ہیں اور ان میں سے دس نے آپ سے ازدواجی زندگی کے درہم برہم ہونے کا ذکر کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسی فی صد پھر بھی ایسے ہیں کہ جو اپنے معاملات خود سے سنبھال رہے ہیں یعنی مسائل ان کے بھی ہیں لیکن وہ گھر میں ہی حل ہو جاتے ہیں اور بہترین ازدواجی زندگی اسی کا نام ہے کہ آپ کے مسائل آپ کے گھر میں ہی حل ہو جاتے ہوں۔ باقی مسائل کا نہ ہونا تو یہ جنت میں ہی ممکن ہے، دنیا میں نہیں۔

ساتویں بات یہ ہے کہ جن میاں بیوی کے مسائل ہوتے ہیں، وہ آپ سے مسائل تو شیئر کرتے ہیں لیکن اپنی خوشیاں نہیں حالانکہ وہ اپنے دو چار سالوں میں روزانہ لڑے ہی نہ ہوں گے، کبھی خوشی کے دو چار دن بھی انہوں نے گزارے ہی ہوں گے تو وہ وہ آپ سے کبھی شیئر نہیں کریں گے۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی نیچر ہی یہی ہے کہ وہ غم زیادہ شیئر کرتا ہے بنسبت خوشی کے۔ تو ازدواجی زندگی آزمائش اور خوشی دونوں کے مجموعے کا نام ہے، صرف آزمائش نہیں ہے بلکہ خوشی بھی ہے۔ اور میاں بیوی لڑائی میں اپنے خوشی کے دنوں کو بھول جاتے ہیں اور صرف غم اور آزمائش کو ہی یاد کرتے ہیں لہذا اس طرح وہ علیحدگی اور منفیت کی طرف زیادہ مائل ہو جاتے ہیں۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ میاں بیوی کا تعلق ہی ایسا ہے کہ مرد زیادتی کرے گا۔ اگر وہ نہیں کرے گا تو بیوی کر جائے گی۔ ایک نہیں ناراض ہو گا تو دوسرا ہو جائے گا، شوہر نہیں ڈانٹے گا تو بیوی ڈانٹنا شروع ہو جائے گی اور یہ حقیقت ہے۔ تو میاں بیوی کا تعلق مسابقت کا تعلق ہے کہ ان میں سے ہر ایک پہل کرنا چاہتا ہے تا کہ دوسرے پر اپنا اثر ڈال سکے۔ اور اسی طرح میاں بیوی کا تعلق بنیادی طور لین دین کا تعلق بھی ہے۔ آئیڈیل تعلق ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو یک طرفہ ہو جیسا کہ ماں کا اولاد کے ساتھ ہے کہ دینا ہی دینا ہے، لینے کی امید بھی نہیں لگائی اور نہ بھی ملا تو واری صدقے، قربان۔ تو میاں بیوی کا تعلق قانونی ہے لہذا یہ شروع میں قانونی انداز میں ہی چلے گا کہ گنتی ہوتی رہے گی کہ میں نے یہ دیا اور اس نے وہ لیا، میں نے اتنا کیا اور اس نے اتنا۔ اور شروع میں اس کو ایسے ہی چلا لیں، کوئی حرج نہیں۔ میں یہی کہا کرتا ہوں کہ شروع میں میاں بیوی کا تعلق دھکے کا تعلق ہے، بس گاڑی کو دھکا لگا کر اسٹارٹ کروا دیا کریں، پھر زندگی کی سڑک پر کچھ سفر اور طے کر لے گی۔ اور یہی رشتہ داروں کا کام ہے یعنی دھکا لگا دینا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ باہمی ایثار اور قربانی سے محبت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے تو یک طرفہ حسن سلوک بھی چل جاتا ہے اور محسوس بھی نہیں ہوتا کہ صرف میں ہی کر رہا ہوں اور دوسرا کیوں نہیں اتنا کر رہا۔

نویں بات یہ کہ میاں بیوی میں دونوں کی نفسیاتی ساخت کا فرق ہے اور ازدواجی مسائل کے حل کے لیے اس کو سمجھنا اور سمجھانا دونوں کے لیے ضروری ہے۔ مرد ایک بات کو چھوٹا سمجھتا ہے لیکن عورت کے نزدیک وہ بہت بڑی ہوتی ہے کہ اس کا تعلق اس کے جذبات سے ہوتا ہے جبکہ مرد اسی بات کو شعور کی عینک سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ تو شعور کی عینک سے وہ بات چھوٹی ہی ہوتی ہے بلکہ بہت معمولی لیکن عورت کے جذبات کی روشنی میں وہ بہت بڑی ہوتی ہے۔ اب یہ ایک دوسرے کی عینک

نہیں لگا سکتے بلکہ ان میں اکثر کو اس کا بھی شعور نہیں ہوتا کہ ہماری عینکیں مختلف ہیں تو یہ شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔اس سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ اختلافات کم ہو جاتے ہیں اور اگر ہو جائیں تو جلدی حل ہو جاتے ہیں۔

دسویں بات یہ ہے کہ پختگی اور میچورٹی بھی ایک خاص عمر میں دونوں میں آتی ہے اگرچہ عورت میں عموماً جلدی آ جاتی ہے، ماں بننے کی وجہ سے۔ لیکن مرد نے اگر خود انحصاری کی زندگی (independent life) نہ گزاری ہو تو میچورٹی دیر سے آتی ہے۔اس لیے ایک مرد اگر بیس سے پچیس سال کا بھی ہے اور بیوی کو ماں باپ کے ساتھ رکھا ہوا ہے تو اسے علیحدہ گھر لینے کا فیصلہ کرنے میں اس لیے مشکل ہوتی ہے کہ اس نے کبھی اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے فیصلے نہیں کیے تو اب اپنی بیوی کی زندگی کے فیصلے کرنے کی بھی اس میں ہمت اور جرات نہیں ہے یعنی اس نے یہ ابھی تک سیکھا نہیں ہے، اس نے ابھی یہ سیکھنا ہے۔ تو یہ بہت اہم ہے کہ مرد کی شادی سے پہلے اس کی ایسی تربیت کہ وہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، بلکہ بچیوں کی شادی میں جو چیزیں دیکھنی چاہییں، ان میں سے ایک یہ بھی اہم ہے کہ مرد میں فیصلہ کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔گھر کا سربراہ وہی بن سکتا ہے کہ جس میں یہ صلاحیت ہو اور اب یہ ممی ڈیڈی بچے کیا گھر چلائیں گے! اس لیے بیوی کو اپنے سسرال کے ساتھ جو مسائل پیش آتے ہیں، انہیں حل کرنے میں وہی مرد ناکام رہتا ہے کہ جس نے زندگی میں کبھی فیصلے نہ کیے ہوں اور ماں باپ کے سہارے زندگی گزاری ہو۔ لہذا مرد کو سیکھنے میں وقت لگے گا، یہ بیوی کو سمجھنا چاہیے۔ یا بیوی خود اگر شوہر سے زیادہ میچور ہو تو اسے سکھا دے اگرچہ یہ چیز اس کے لیے اذیت ناک ہو گی کہ عورت ہمیشہ ایسے مرد کو پسند کرتی ہے جو اس سے مضبوط ہو۔

گیارہویں بات یہ کہ عموماً یہ شکایت بھی ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے رویہ اور ہے اور بعد میں اور ہے تو یہ تو عموماً ہوتا ہے کہ شادی کے بعد دونوں طرف سے رویوں میں تبدیلی نظر آتی ہے۔اس کا حل یہی ہے کہ اس کے لیے ذہناً تیار رہنا چاہیے۔ یہاں مرد اور عورت کی سائیکالوجی میں فرق یہ بھی ہے کہ مرد عموماً برے حالات یا وقت کے لیے ذہناً تیار رہتا ہے لیکن عورت نہیں ہوتی، یا یوں کہہ

لیں کہ وہ زیادہ خوش فہم ہوتی ہے یا زیادہ پرامید (optimistic) ہوتی ہے لہذا اگر حالات اس کے ذہن کے موافق نہ ہوں تو وہ زیادہ جلدی اور تیزی سے ذہنی بے سکونی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس میں کچھ کردار ہمارے ماحول کا بھی ہے کہ ماحول میں اس قدر گلیمر اور چکاچوند ہے کہ یہ چیز عورتوں کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے کہ زندگی تو نام ہی آسائش اور آرام کا ہے جبکہ مرد کا بیانیہ ان کے مقابلے میں زندگی کو ایک چیلنج اور آزمائش کے طور لینے کا ہوتا ہے لہذا جب گھر ٹوٹتا ہے تو یہ نہیں کہ عورت کا نقصان ہوتا ہے، مرد کا بھی اتنا ہی نقصان ہوتا ہے اور وہ بھی اتنی ہی تکلیف میں ہوتا ہے جتنی کہ عورت لیکن وہ آزمائش کا سامنا کر جاتا ہے اور بہت کم ڈھیر ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی نفسیاتی فرق ہے۔ اس نفسیاتی فرق کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مرد کی جسمانی ساخت ایسی ہے یا اس کے کام یا ذمہ داری کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ زندگی کو چیلنج اور آزمائش کے طور لے۔

بارہویں بات یہ کہ فرق صرف مرد اور عورت کی نفسیات کا نہیں ہے بلکہ عورت، عورت کی نفسیات میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر میں یہ بات کہوں کہ میرے فیس بک فرینڈز لکھاریوں میں فلاں اور فلاں ایک نوع کی خواتین ہیں اور فلاں اور فلاں دوسری نوع ہیں تو یہ بات شاید کسی حد تک درست ہو۔ پہلی قسم کی خواتین کے لیے وہ مسائل حساس نہیں ہیں جو دوسری قسم کی خواتین کے لیے اہم ہوتے ہیں لہذا دونوں کو ایک جیسا مشورہ دینا بھی درست نہ ہو گا۔ اس لیے پہلی قسم کی خاتون اگر مجھ سے مشورہ مانگیں گی کہ خاوند مجھے سرکاری ملازمت درمیان میں چھوڑ دینے کا حکم دے رہا ہے تو میں یہی کہوں گا کہ خاوند کی اطاعت کرو، ملازمت ولازمت کی ضرورت نہیں ہے اور اس خاتون کو بھی شاید اس مشورے پر عمل میں ہی سکون میسر آئے گا کہ اس کی نفسیاتی ساخت ہی اسی قسم کے مشورے کو قبول کرنے کے لیے بنی ہے کہ اس کے مزاج میں انفعالیت (passivity) کا غلبہ ہے۔ اور دوسری قسم کی خاتون اگر ایسا مشورہ مانگیں گی تو میں شاید اسے یہ مشورہ نہ دے سکوں اور اگر دے بھی دوں گا تو وہ بے کار جائے گا اور اس کی ذہنی اذیت بڑھ جائے گی کہ وہ ایسے مشورے قبول کرنے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئی کہ اس کے مزاج میں فعالیت (activity) ہے، تو یہ یا تو کونے کھدرے میں سڑ سڑ کر زندگی گزار لے گی یا پھر علیحدگی کا سوچے گی۔

باقی یہ جزوی باتیں ہیں کہ فلاں مسئلے میں خاوند کی زیادتی ہے یا بیوی کی۔ اور ان جزوی باتوں کا بھی تعین کرنا چاہیے کہ کسی مسئلے میں خاوند زیادتی پر ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے اور کسی مسئلے میں بیوی زیادتی پر ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی ہے۔ پس اگر زیادتی کم ہو تو گزارا ہو جاتا ہے اور دل بڑا کرنا چاہیے لیکن اگر زیادتی زیادہ ہو اور قابل برداشت نہ رہے تو پھر علیحدگی کا رستہ شریعت میں اسی لیے ہے۔

اب علیحدگی کے معاشرتی نقصانات ہیں، یہ بات بھی درست ہے لیکن علیحدگی شریعت میں کوئی گالی نہیں ہے، البتہ اس کو ناپسند ضرور کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ ذہن میں رہے کہ مسائل تو ہر جگہ ہیں اور ہوں گے۔ پس تو عموماً کاؤنسلنگ میں یہی عرض کرتا ہوں کہ اس وقت اس آخری آپشن یعنی علیحدگی کا سوچو جب یہ دیکھو کہ اب مرنا، زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے تو اب بے شک علیحدہ ہو جاؤ۔ لیکن یہ کیفیت کہ مرنا، زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہو جائے، عارضی نہ ہو بلکہ مستقل ہو جائے کہ عارضی طور تو یہ کیفیت بھی انسان پر طاری ہوتی ہی رہتی ہے بلکہ غیر شادی شدہ پر بھی اپنے حالات سے تنگ ہونے کی وجہ سے طاری ہو جاتی ہے۔

عورت: لوئر، مڈل اور ہائر کلاس میں

یہ مان لینا بہت ضروری ہے کہ مسلم معاشروں میں لوئر کلاس میں عورت کی عزت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس طبقے کی عورت مظلوم ہے، ظلم سہتی ہے، مار کھاتی ہے، گالیاں سنتی ہے، مزدوری کر کے اپنے مردوں کو کھلاتی ہے، مردوں کے لیے ایک خادمہ ہے، چاہے وہ ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو یا بیوی۔ ان مظلوم عورتوں کے حق میں آواز بلند کرنا جہاد کے مترادف ہے اور اسلامی تحریکوں اور مذہبی طبقات کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ ایسی این۔جی۔اوز (NGO's) بنائیں جو اس مظلوم عورت کی دادرسی کر سکیں۔

رہی مڈل کلاس تو وہ ماں کے صدقے وارے جاتی ہے، بیٹی پر جان چھڑکتی ہے، بہن کا حصہ کھانا چاہتی ہے اور بیوی کو فریق مخالف سمجھ کر دباتی ہے۔ اس طبقے میں بہنوں اور بیویوں کے حقوق کسی قدر محفوظ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا ذریعہ مردوں کے لیے ایسی تربیتی ورکشاپس کا انعقاد ہے کہ جن میں ان کے رویوں کی اصلاح کی جا سکے۔ اس طبقے میں بیوی اپنے مرد کو پورا پڑنے کی کوشش

کرتی ہے لیکن اس کے نتیجے میں زیادہ مار کھاتی ہے۔ یہاں مار کھانا نقصان اٹھانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

رہی بات ہائر کلاس کی تو وہاں مرد مظلوم ہے۔ اس کے لیے اگر کچھ کرنا چاہتے ہیں تو مردوں کے حقوق کے تحفظ (Men Rights) کی کوئی این۔جی۔او بنا لیں۔ اور عجیب تماشا یہ ہے کہ حقوق نسواں کی تحریکیں چلانے والی ساری خواتین اسی طبقے سے ہیں۔ یہ تینوں تقسیمات ایک عمومی مشاہدے کے تحت کی گئی ہے یعنی ان میں استثناءات (exceptions) ہو سکتے ہیں۔

میاں بیوی کے اختلافات

قرآن اکیڈمی کے شعبہ تحقیق اسلامی میں ملازمت کے دوران لوگ متنوع مسائل میں دینی رہنمائی کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان سائلین کی کثیر تعداد عموماً دو میں سے کسی ایک مسئلے میں مشاورت چاہ رہی ہوتی تھی؛ جادو ٹونے کا مسئلہ یا میاں بیوی کے اختلافات۔ اس وقت ہم دوسرے مسئلے پر کچھ گفتگو کرنا چاہ رہے ہیں۔

میاں بیوی کے اختلافات کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے اسباب معلوم ہوں۔ میاں بیوی کا اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے؛ واقعی اور غیر واقعی (real and unreal)۔ واقعی اختلاف وہ ہے کہ جو حقیقی ہو اور اس اختلاف کے اسباب داخلی ہوتے ہیں یعنی میاں بیوی کے مزاج میں شامل ہوتے ہیں۔ اور غیر واقعی اختلاف وہ ہے کہ جو حقیقی نہ ہو یعنی اختلاف تو ہے لیکن بلا وجہ کا ہے اور اس کے اسباب خارجی ہوتے ہیں۔ یہاں اختلاف کا سبب مزاج نہیں ہے بلکہ شیطان یا حسد کرنے والے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ واقعی اختلاف کو کم تو کیا جا سکتا ہے لیکن ختم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مزاجوں کا اختلاف ہے اور مزاج ختم نہیں ہوتے۔ اور غیر واقعی اختلاف کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کی وجہ شیطان یا حسد کرنے والے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ آپ ان کی باتوں پر کان نہ دھریں تو آپ کا اختلاف ختم ہو جائے گا۔

واقعی اختلاف یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مرد اور عورت دونوں کو ایک مزاج پر پیدا کیا ہے کہ جس میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ المَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلاَهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ»[1]

”عورتوں کے بارے میں میری نصیحت سن لو کہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے بارے میری نصیحت سن لو۔“

اس روایت میں خطاب مرد سے ہے یعنی میاں بیوی کے اختلافات میں شریعت نے مرد کو سمجھایا ہے کہ وہ بڑا ہے لہذا اسے بڑے پن کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ مرد میں عقل جبکہ عورت میں جذبات کا پہلو غالب ہوتا ہے لہذا میاں بیوی کی لڑائی میں سمجھنے سمجھانے کے زیادہ امکانات مرد کی طرف میں ہوتے ہیں۔ پس مرد چونکہ ذمہ دار بھی ہے اور اس میں عورت کی نسبت عقل کا پہلو غالب ہے لہذا اسے اپنی ذمہ داری اور فطری تخلیق کا خیال رکھتے ہوئے گھر کو جوڑنے میں عورت کی نسبت زیادہ کردار ادا کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق کا حق بھی مرد ہی کو دیا گیا ہے یعنی یہ مرد ہی ہے کہ جس نے یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اس نے گھر کو توڑنا ہے یا جوڑ کر رکھنا ہے۔ اور اگر طلاق کا حق عورت کے پاس ہوتا تو مسلم معاشروں میں طلاق کی نسبت (ratio) بہت بڑھ جاتی کہ عورتیں، مردوں سے زیادہ جذباتی ہوتی ہیں۔

اور اگر مرد یہ عزم کر لے کہ اس نے اپنی عورت کو سیدھا کر کے ہی رہنا ہے تو یہ اسے توڑنے کے مترادف ہے اور اس توڑنے کا معنی طلاق ہے۔ ثالث (mediator) کو بھی چاہیے کہ میاں بیوی کے اختلافات میں زیادہ مرد کو سمجھائے کیونکہ عورت کو اللہ تعالی نے فطری طور کمزور بنایا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت کے الفاظ ہیں۔ اس روایت کا یہ معنی نہیں ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو طعنہ دینے کے لیے اس روایت کو دلیل بنائے کہ تم تو ہو ہی ٹیڑھی لہذا تمہارے کیا کہنے بلکہ اس روایت میں اللہ کے رسول ﷺ کی مردوں کو نصیحت کا معنی یہ ہے کہ عورت کو چونکہ اللہ عزوجل نے کمزور

[1] صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، بَابُ خَلْقِ آدَمَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَذُرِّيَّتِهِ، 133/4

بنایا ہے لہذا اس کی فطری کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے سمجھداری، بڑے پن اور حکمت کے ساتھ معاملہ کرو۔ دوسری چیز یہ ہے کہ انسانوں میں باہمی مزاج کا بھی فرق ہوتا ہے جیسا کہ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ: جَاءَ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ، وَالْأَبْيَضُ، وَالْأَسْوَدُ، وَبَيْنَ ذَلِكَ، وَالسَّهْلُ، وَالْحَزْنُ، وَالْخَبِيثُ، وَالطَّيِّبُ»[1]

”اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو مٹھی بھر مٹی سے پیدا کیا اور یہ مٹی تمام زمین سے لی گئی تھی۔ پس آدم علیہ السلام کی اولاد میں زمین کے تمام رنگ اور خصوصیات موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی سفید، کوئی سرخ اور کوئی سیاہ ہے۔ اور کوئی رنگت میں ان کے مابین ہے۔ اور کوئی مزاج میں نرم ہے تو کوئی سخت۔ اور کوئی طبعاً خبیث ہے تو کوئی طیب۔“

پس آدم کی اولاد میں مزاج کی کچھ کمزوریاں فطری ہیں لہذا دوسروں کو اس کا کسی قدر اعتبار (credit) دینا چاہیے۔ ایک شخص اگر پیدائشی طور غصیلے یا لاپرواہ مزاج کا حامل ہے تو وہ اپنے اس مزاج کو اپنی تربیت سے کسی قدر قابو تو کر سکتا ہے لیکن ختم نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مزاج اس کے خمیر میں شامل ہے۔ اور مزاج کی یہ فطری کمزوریاں ہر شخص میں اس فرق کے ساتھ موجود ہیں کہ جو ایک میں ہیں وہ دوسرے میں نہیں ہیں۔

پس ان فطری کمزوریوں میں دو چیزیں مطلوب ہیں؛ ایک تو ہر فریق اپنی کمزوری کو دور کرنے کی امکان بھر کوشش کرے اور دوسرا یہ کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی ایسی کمزوریوں کے بارے برداشت اور تحمل کا رویہ پیدا کریں۔ یہی بات ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے مردوں کو عورت کے حوالے سے بیان کی ہے کہ نہ تو اسے بالکل سیدھا کرنے کے چکر میں پڑو اور نہ ہی اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ ان دو قسم کی انتہاؤں میں میاں بیوی میں ساتھ رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا اور نوبت علیحدگی تک جا پہنچے گی۔

مثلاً عام زندگی کی مشکلات میں سے یہ ہے کہ عموماً مرد گھر وقت پر آنے میں دیر لگا دیتے ہیں اور

---

[1] سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في القدر، 222/4

عورتیں گھر سے نکلنے میں دیر لگا دیتی ہیں اور اس پر اچھا خاصا جھگڑا ہو جاتا ہے۔ یا بیوی جب کھانا لگاتی ہے تو شوہر اپنی بیوی کا انتظار کیے بغیر کھانا شروع کر دیتے ہیں اور بیوی غصے میں آجاتی ہے یا بیوی اگر وہ کھانا نہیں بنا پاتی جس کی شوہر نے خواہش کی تھی تو شوہر غصے میں آجاتے ہیں۔ اب اگر میاں یا بیوی کے مزاج کی یہ خامی ہے یا اس کے حالات ایسے ہیں جو دیری کا باعث بن جاتے ہیں تو میاں بیوی کو ممکن حد تک اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے اور فریق مخالف کو یہ چاہیے کہ دیر کی صورت میں ایک دوسرے کو جتلا دیں یا بعض اوقات ناراضگی کا اظہار بھی کر دیں لیکن اس ناراضگی میں شدت نہ لائیں کہ چھوٹا سا مسئلہ فساد بن جائے کیونکہ یہ مزاج کے مسائل ہیں اور آپ کو ان کے ساتھ سمجھوتہ (compromise) کرنا ہے۔

یہ واضح رہے کہ کچھ مزاج فطری نہیں ہوتے لیکن معاشرہ انہیں فطری سمجھ رہا ہوتا ہے۔ مثلاً میاں بیوی کی لڑائی میں عام طور یہی رواج ہے کہ غلطی چاہے شوہر کی ہو یا بیوی کی، معذرت شوہر ہی نے کرنی ہے۔ ایک دفعہ کسی کے ہاں جانا ہوا تو وہاں ٹیلی ویژن چینل پر ایک اشتہار (ad) چل رہا تھا جس میں میاں بیوی ناراض تھے اور بیوی اپنے شوہر کو جادوئی الفاظ (magical words) بولنے کا کہہ رہی تھی اور جادوئی الفاظ سے اس کی مراد یہ تھی کہ مرد یہ کہے کہ **"غلطی میری تھی"**۔

عورت کا غلطی تسلیم نہ کرنا یہ اس کی پیدائشی کمزوری نہیں ہے بلکہ معاشرتی بگاڑ ہے یعنی معاشرے نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جھگڑے کا حل یہی ہے کہ شوہر معذرت کر لے۔ یہ ایک ناممکن بات ہے کہ میاں بیوی کے جھگڑے میں ہمیشہ غلطی شوہر کی ہو۔ بعض اوقات شوہر کی غلطی ہوتی ہے اور بعض اوقات بیوی کی۔ جس کی غلطی ہے، اسے تسلیم کرنا چاہیے، یہ دینی تقاضا ہے اور ایک بندہ مومن کے اخلاقی اور روحانی نشوونما کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔ کہنے کو تو ہر بار شوہر کے تسلیم کر لینے سے اختلاف رفع ہو جائے گا لیکن اگر یہی رویہ عادت بن جائے گا تو اس کا عورت کو دینی اور اخلاقی نقصان بہت زیادہ ہوگا۔ عورت کی زندگی سے اپنی غلطی تسلیم کرنے کا مادہ ہی نکلتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ایسی خاتون اپنے رب سے بھی جھگڑا کرنے والی بن جائے گی اور استغفار اس کی زندگی میں کم ہی ملے گا۔ رویے جب عادت بن جاتے ہیں تو پھر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ سامنے

کون ہے؟ انسان یا خالق؟ بچے یا والدین؟ شاگرد یا استاذ؟ چھوٹا یا بڑا؟ لہذا انسانوں کے سامنے غلطی تسلیم نہ کرنے کی عادت خدا کے سامنے بھی غلطی تسلیم نہ کرنے کی خُوڈال دیتی ہے۔

میاں بیوی کے دوسری قسم کے اختلافات وہ ہیں جو غیر واقعی (unreal) یعنی حقیقی نہیں ہیں اور ان کا سبب شیطان مردود اور حسد کرنے والے رشتہ دار ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُولُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، قَالَ: وَيَجِيءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِهِ، قَالَ: فَيُدْنِيهِ مِنْهُ - أَوْ قَالَ: فَيَلْتَزِمُهُ - وَيَقُولُ: نِعْمَ أَنْتَ أَنْتَ»[1]

"ابلیس سمندر پر اپنا تخت بچھاتا ہے اور اپنے لشکر لوگوں میں فساد کی غرض سے بھیجتا ہے۔ پس اس کے لشکروں میں اس کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جس نے سب سے بڑا فتنہ برپا کیا ہو۔ اس کے بھیجے ہوئے چیلوں میں سے ایک آکر اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں فلاں کے پیچھے ہی لگا رہا یہاں تک کہ اس نے یہ یہ بکواس کر ڈالی۔ تو ابلیس اسے کہتا ہے، اللہ کی قسم! تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اس کا ایک چیلہ آکر اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو اس حال میں چھوڑا کہ اس کے اور اس کی بیوی کے مابین جدائی ڈلوا دی تو ابلیس اپنے اس چیلے کو اپنے قریب کرتا ہے اور اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے اور کہتا ہے: کیا خوب کام کیا ہے! کیا خوب کام کیا ہے!"

پس میاں بیوی کے درمیان پھوٹ ڈلوانا ابلیس کے نزدیک اتنا عظیم کام ہے کہ اس کے ایسے چیلے اس کے مقربین میں شمار ہوتے ہیں جو میاں بیوی میں طلاق کا باعث بن جائیں۔ اور یہ شیطان مردود ہر وقت انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے لیے تیار بیٹھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿1﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿2﴾ إِلَٰهِ النَّاسِ ﴿3﴾ مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿4﴾ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿5﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ [الناس: 6]

"نبی ﷺ! کہہ دیں، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں

---

[1] مسند الإمام أحمد بن حنبل: 275/22

کے حقیقی معبود کی، اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔"

ان آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا شیطان جنات میں سے بھی ہو سکتا ہے اور انسانوں میں سے بھی کہ بعض اوقات رشتہ داروں میں بعض لوگ میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کے لیے شیطان کا سا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان حالات میں میاں بیوی کو ایک تو خود باشعور ہونا چاہیے کہ رشتہ داروں میں سے کون ان کا خیر خواہ ہے اور کون لگائی بجھائی کرنے والا ہے اور دوسرا حاسدین کے شر سے بچنے کے لیے صبح، شام اور رات سونے سے پہلے تین مرتبہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا ورد کر لیں۔ اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ، إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ» قَالُوا: وَإِيَّاكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: «وَإِيَّايَ، إِلَّا أَنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ، فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ»[1]

"تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ایک شیطان جن نہ لگا ہوا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے نبی ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی کوئی شیطان لگا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ عزوجل نے میری اس کے خلاف مدد کی ہے لہذا وہ میرا فرمانبردار ہے اور مجھے نیکی کے علاوہ کسی بات کی ترغیب نہیں دیتا۔"

پس میاں بیوی میں جب بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑی بڑی لڑائیاں اور جھگڑے ہونا شروع ہوں جائیں تو اس کا سبب شیطان ہوتا ہے۔ سائیکالوجی میں جسے ہم غیر معمولی رویہ یعنی ابنارمل ایٹی چیوڈ کہتے ہیں، اس کی وجہ داخلی نہیں خارجی ہوتی ہے۔ اگرچہ ماہرین نفسیات اس کی وجہ داخلی قرار دیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ نفسیاتی مسئلہ ہے لیکن جھاڑ پھونک کرنے والوں کا تجربہ اس کے خلاف کہتا ہے۔ روحانی معالجین کے مطابق غیر معمولی رویوں کی اصل وجہ شیطان مردود ہوتا ہے، چاہے وہ بچوں میں ہوں یا بڑوں میں۔ اور اکثر و بیشتر نفسیاتی مسائل شیطان کے وساوس ہیں۔

پس میاں بیوی میں سے کوئی ایک جب غیر معمولی رویے (abnormal attitude) کا اظہار کرے تو اختلاف حل کرنے کے لیے سب سے پہلے خارجی وجہ کو ختم کرنا چاہیے۔ اور اس کا طریقہ یہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ، بَابُ تَحْرِيشِ الشَّيْطَانِ وَبَعْثِهِ سَرَايَاهُ، 2167/4

ہے کہ میاں بیوی میں سے جو ذرا حواس (senses) میں ہے، دوسرے پر معوذتین، تعوذات[1] اور سورہ الصافات کی پہلی دس آیات دم کر کے پھونک ماریں۔ پس پہلے شیطان مردود کو بھگائیں اور اختلاف کو فطری سطح پر لے کر آئیں اور اب اس واقعی اختلاف اور مسائل کے حل کے لیے مشاورت (counselling) کریں یا مکالمہ (dialogue)۔

اسی طرح ایک غصہ فطری ہے اور ایک شیطان کی طرف سے ہے۔ شیطان کی طرف سے غصے کو اگر فطری سمجھ لیں گے تو مسئلہ کبھی حل نہ ہو گا۔ شیطان کی طرف سے غصے کا حل یہ ہے کہ وضو کر لے یا سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا کثرت سے ورد کرے۔ بعض اوقات کسی حسد کرنے والے رشتہ دار کی نظر بھی لگ جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے میاں بیوی میں جھگڑا بن جاتا ہے کیونکہ نظر لگنے میں بھی ایک شیطان ہوتا ہے۔ پس میاں بیوی کے اختلاف میں یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ وہ اختلاف نارمل ہیں یا ابنارمل۔ اگر نارمل ہیں تو دو اصولوں، افہام و تفہیم اور تحمل و برداشت، کی روشنی میں انہیں حل کرنے کی کوشش کرے اور اگر دوسری قسم کے ہیں تو پھر تعوذات اور شرعی دم وغیرہ سے انہیں حل کرے۔

اکثر میاں بیوی کے مسائل دوسری نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن وہ پہلی قسم میں ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح ان کے مسائل عارضی طور تو حل ہو جاتے ہیں لیکن مستقل طور حل نہیں ہو پاتے۔ پہلے لڑائی کے خارجی سبب یعنی شیطان مردود یا حسد کے اثرات بد دور کریں اور پھر آپس کا اختلاف حل کرنے بیٹھیں۔ اور اس کے بھگانے کا طریقہ ہم نقل کر چکے ہیں۔ مزید برآں صبح و شام کے اذکار اور ادعیہ ماثورہ کی پابندی کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ، فَذَكَرَ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ:

[1] تعوذات ان دعاؤں کو کہتے ہیں کہ جن میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہو۔ احادیث میں ایسی بہت سی دعائیں مروی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ۔ ترجمہ: میں اللہ کے پورے ہو کر رہنے والے کلمات کی پناہ مانگتا ہوں، اس کے غضب سے، اس کی پکڑ سے، اس کے بندوں کے شر سے، اور شیطان کی پھونکوں سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔ [سنن الترمذي: 429/5] موثر ترین تعوذات میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔

لَا مَبِيتَ لَكُمْ، وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ، فَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ»[1]

"جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے اللہ کا نام لے لے تو شیاطین آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اس گھر میں تمہارے لیے رات گزارنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اور اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیاطین کہتے ہیں کہ اب تمہارے لیے یہ گنجائش ہے کہ تم اس گھر میں رات گزار سکو۔"

گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لینے سے مراد یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کی دعا پڑھی جائے۔ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ، وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللَّهِ وَلَجْنَا، وَبِسْمِ اللَّهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللَّهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا»[2]

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ خیر کے ساتھ گھر میں داخل ہوں اور خیر کے ساتھ باہر نکلوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوتے ہیں اور اللہ کے نام کے ساتھ باہر نکلتے ہیں۔اور اپنے رب پر ہی ہم توکل کرتے ہیں۔"

میاں بیوی کے حقوق

خاندان کے ادارے کو دو باتوں سے مضبوط کیا جا سکتا ہے۔اور وہ یہ کہ ایک تو میاں بیوی کو اپنے حقوق اور فرائض (rights and responsibilities) کا شعور حاصل ہو۔اور دوسرا یہ کہ ان میں تقوی اور اللہ کا ڈر موجود ہو۔جب تک ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض کا علم نہیں ہو گا تو ان کی ادائیگی میں کوتاہی ہو گی لہذا اختلاف نہ صرف پیدا ہوں گے بلکہ بڑھتے چلے جائیں گے۔اور اگر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا تو علم ہے لیکن اللہ کا ڈر اور خوف موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک فریق کے لیے اپنے فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں ہو گی کہ اس کے پاس وہ جذبہ محرکہ

[1] صحیح مسلم، کتاب الْأَشْرِبَةِ، بَابُ آدَابِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَأَحْكَامِهِمَا، 1598/3

[2] سنن أبي داود، أَبْوَابُ النَّوْمِ، بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ، 325/4۔ امام أبو داود نے اس روایت کو "صالح" جبکہ علامہ ابن حجر اور شیخ بن باز رحمہا اللہ نے "حسن" کہا ہے۔

(driving force) ہی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ دوسرے کے حقوق ادا کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ میں جہاں جہاں تفصیل سے خاندان کے جڑنے اور ٹوٹنے یعنی نکاح اور طلاق کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے، وہاں وہاں بار بار تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ تقوی کے بغیر نہ تو خاندان قائم کرتے وقت عدل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ٹوٹتے وقت انصاف قائم کیا جا سکتا ہے۔

شوہر کے جملہ حقوق کو اگر ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ اور اطاعت کا معنی صرف ان باتوں میں اطاعت نہیں کہ جو بیوی کو پسند ہوں بلکہ ان میں اطاعت کہ جو بیوی کو ناپسند ہوں۔ اور بیوی کے حقوق کو اگر ایک لفظ میں جمع کرنا چاہیں تو وہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے حسن سلوک کرے۔ اور حسن سلوک کا معنی صرف بیوی کا کرنا نہیں ہے بلکہ اچھے طریقے اور سلیقے سے کرنا ہے۔

ہمارے ہاں بعض مفتی صاحبان معاشرتی نتائج پر غور کیے بغیر کچھ ایسے فتاوی جاری کر دیتے ہیں کہ جو خاندان کے ادارے کو کمزور کرنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ ہمیں یہ واضح رہنا چاہیے کہ فتوی، کتاب وسنت نہیں ہوتا اگرچہ وہ کتاب وسنت کا فہم ہوتا ہے۔ چونکہ سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے لہذا فتوی میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ پس مفتی صاحبان کو اپنے فتاوی پر کی جانے والی تنقید کی روشنی میں اپنی آرا پر نظر ثانی کرتے رہنا چاہیے۔

مثال کے طور بعض مفتی صاحبان نے کہا کہ بیوی کی یہ شرعی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ خاوند کے لیے کھانا بنائے، کپڑے دھوئے، برتن صاف کرے وغیرہ بلکہ یہ عورت کا احسان ہے۔ اب کہنے کو تو مفتی صاحب عورتوں کے حقوق بیان کر رہے ہیں لیکن اگر کوئی مفتی صاحب سے یہ سوال کرے کہ کیا یہ کوئی شرعی یا فقہی ذمہ داری ہے کہ مرد اپنی بیوی کو سپلٹ اے سی لگوا کر دے، ڈبل بیڈ اور صوفہ سیٹ خرید کر دے، گیزر اور ہیٹر کی سہولت مہیا کرے، بجلی اور گیس کا کنکشن لگوا کر دے لیکن اس کے باوجود اگر مرد ایسا کر رہے ہیں اور مفتی صاحب کوئی ایسا فتوی دیتے ہیں کہ جس میں مردوں کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ان پر واجب نہیں ہے تو فریق مخالف کی چیخیں نہیں نکلیں گی تو کیا ہو گا؟

اور یہی کام ہمارے ممدوح مفتی صاحب کر رہے ہیں کہ عورتوں کے حقوق بیان کر کے مردوں کی چیخیں نکلوانا چاہتے ہیں۔

جب آپ نے عورت کی عرفی ذمہ داریاں ساری معاف کر دی ہیں اور ساتھ میں عرفی حقوق اسے سارے دے دیے ہیں تو اب دیندار نوجوان بھی شادی کے معاملے میں دین کو ترجیح نہیں دیں گے بلکہ اس بات کو ترجیح دیں گے کہ کوئی ایسی بیوی لے کر آئیں جو کم از کم گھر کا کام کاج تو کرے۔ اگر آپ شریعت اور فقہ ہی سے مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں تو عورت کو جس طرح شریعت اور فقہ کی روشنی میں ذمہ داریوں سے آزاد کیا ہے، اسی طرح اس کے حقوق بھی ختم کریں، تو توازن پیدا ہو گا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جب عورت کے کام کرنے کی باری آئے تو پھر اس کی دینی ذمہ داری اور جب اس کے لینے کی باری آئے تو اب عرف اور رواج کیا ہے؟ اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔

اور حقیقی بات یہی ہے کہ میاں بیوی کے حقوق و فرائض کا تعین عرف اور رواج سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: 228]

”جیسے بیویوں کے حقوق ہیں، ویسے ہی ان کے فرائض بھی ہے، عرف کے مطابق۔“

ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ بیوی گھر میں لانے کا مطلب خادمہ اور نوکرانی لانا ہے، یہ تصور بھی بالکل غلط ہے۔ لیکن یہ کون سا دین ہے کہ بیوی کہے کہ میں اپنے خاوند کو کھانا اس لیے بنا کر نہیں دے سکتی کہ یہ میری دینی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ دین، دین فطرت ہے۔ فتوی کے نام پر اتنی بڑی غلطی نہ کریں کہ فطرت چیخ چیخ کر بتلائے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ اگر اسی طرح مذہبی عورتوں کے حقوق کے لیے بے معنی فتاوی جاری ہوتے رہے تو وہ وقت بھی قریب آ جائے گا جبکہ شوہر بستر پر پڑا ہو گا اور بیوی اپنی ساس سے کہے گی کہ ذرا اپنے بیٹے کو دوائی پلا دینا، اسے دوائی پلانا میری دینی ذمہ داری نہیں ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خاندان صرف فقہی اور قانونی ضابطوں سے نہیں چلتے بلکہ ایثار اور قربانی کے جذبوں سے پروان چڑھتے ہیں۔

طلاق اور خلع کی وجوہات: جنس اور عشق

ہمارے معاشروں میں طلاق اور خلع کا تناسب بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ میاں بیوی کے اختلافات، جھگڑوں اور علیحدگی کے پیچھے بلاشبہ بیسیوں اسباب ہوتے ہیں لیکن ہمیں اس وقت ان اسباب میں سے دو اہم اسباب کا ذکر کرنا ہے کہ جو میاں بیوی میں اختلاف، جھگڑوں اور علیحدگی کا ایک بہت بڑا سبب ہوتے ہیں لیکن معاشرہ تو کجا بعض اوقات خود میاں بیوی اس قدر شرمیلے واقع ہوتے ہیں کہ اس بارے اپنے فریق مخالف کو کوئی واضح پیغام پہنچانے سے قاصر رہتے ہیں۔

اللہ عزوجل نے مرد میں جنس کا جذبہ بہت قوی رکھا ہے جبکہ عورت کو رومانس کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ عورت کو مرد کی اس مجبوری کا علم ہے، کسی کو تھوڑا اور کسی کو زیادہ، اور گھر میں معمول کے اختلافات کے نتیجے میں عورت اپنے شوہر سے اس کی اس خواہش کو پورا کرنے کے حوالے سے بچنے اور دور رہنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ اس کا شوہر بھی دباؤ میں رہے۔ اور بعض عورتوں کا خیال ہوتا ہے کہ شاید ان کے مردوں کا اس بارے تقاضا بہت زیادہ ہے لہذا وہ اس عمل سے چڑان (irritation) کی کیفیت میں رہتی ہیں اور اسی چڑ کی کیفیت میں ان سے دور بھاگتی ہیں۔

شادی کے بعد مرد کا اگر جنس کا جذبہ پورا نہ ہو تو وہ فرسٹریشن میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر بے دین ہو تو باہر منہ ماری کر لیتا ہے اور اس طرح گھر میں طاقت کا توازن بحال رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ ثابت کرے کہ وہ بیوی کے سامنے مجبور نہیں ہے۔ اور اگر دیندار ہو تو یا تو اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے عورت کے سامنے جھک جائے گا یا اگر مرد ہونے کا احساس غالب رہا تو طلاق دے کر رخصت کر دے گا، بھلے طلاق کی وجوہات عجیب وغریب بیان کرے گا اور عورت بھی اس پر مطمئن نظر آئے گی کہ طلاق کی وجوہات فلاں فلاں تھیں حالانکہ گہرائی میں تجزیہ کیا جائے تو وجہ وہ نہیں ہوتی جو ظاہر کی جا رہی ہوتی ہے۔ اسی لیے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ، لَعَنَتْهَا المَلاَئِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ»[1]

---

[1] صحيح بخاري، كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ إِذَا بَاتَتِ المَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا، 30/7

"اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کر دے تو فرشتے اس عورت پر رات بھر لعنت بھیجتے ہیں۔"

اب عورتیں اگر یہ کہیں کہ اس حدیث میں ہمارے جذبات کا دھیان نہیں رکھا گیا کہ ہم ساس سُسر کی خدمت بھی کریں اور جب دن بھر کے کاموں سے تھک ہار جائیں تو اب میاں کو خوش کرنا بھی ہماری دینی ذمہ داری ہے۔ عورتوں کی سوچ کا یہ انداز درست نہیں ہے کہ جنس کے معاملے میں مرد کی ضرورت، عورت سے کئی گنا زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ مردوں کو چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔ پس اگر مرد کی ضرورت پوری نہ ہوئی تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو توڑ دے گا۔ شاید اسے بعد میں اس پر افسوس بھی ہو لیکن یہ جذبہ اتنا قوی ہے کہ اسے وہاں تک پہنچا دیتا ہے۔

اور عورت کی ضرورت جو کہ رومانس ہے، مرد پوری نہ کرے تو اگر بے دین ہو گی تو فون، فیس بک وغیرہ پر باہر یاریاں لگائے گی۔ عورت کو مرد سے تعریف چاہیے، چاہے جھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ اسے مرد سے بس تحسین (appreciation) چاہیے، چاہے مبالغہ آمیز ہی کیوں نہ ہو۔ اسے مرد سے اگر لمس بھی چاہیے تو اس لیے نہیں کہ مرد اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ قدرت کا ایک ایسا عظیم شاہکار ہے کہ جسے چھونا مرد کے لیے ایک خوش نصیبی ہے۔ اور وہ اس بارے میں ویسی ہی مجبور ہے جیسا کہ مرد جنس کے بارے میں۔

اور اگر عورت دیندار ہو گی تو یا تو گھٹن سے زندگی کے دن پورے گی، خود بھی تنگ رہے گی اور اپنے مرد کو بھی تنگ رکھنے کی ممکن کوشش کرے گی، اور اگر کچھ خود اعتماد ہوئی یا اس کے پاس کچھ ذرائع آمدن ہوئے، تو خلع کے رستے علیحدگی کی طرف جائے گی۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو نازک آبگینے کہا ہے۔ پس دو لفظوں میں خلاصہ یہ ہے کہ مرد کو بیوی کے نام پر لونڈی چاہیے اور عورت کو شوہر کے نام پر عاشق۔ اور ان دو انتہاؤں کے مابین گزارہ کرنا ہے دونوں نے اور اسی کا نام ازدواجی زندگی ہے۔

میاں بیوی کی بڑی لڑائیوں کی وجوہات ہمیشہ چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر بیوی کے کسی عزیز یا سہیلی کی شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے دونوں گھر سے نکلے ہیں تو بیوی نے رستہ

بتلانے میں غلطی کر دی کہ جس سے تاخیر ہو گئی۔ میاں کو غصہ آگیا اور اس طرح ایک دوسرے پر تبصرے ہونے لگے یہاں تک کہ بیوی نے جذبات میں آکر کہا کہ اس سے تو بہتر تھا کہ آپ مجھے لے کر ہی نہ جاتے۔ اور اس پر شوہر صاحب بھی اتنے فرمانبردار نکلے کہ اسی لمحے گھر کی طرف گاڑی کا رخ موڑ لیا۔ پس اس طرح ایک چھوٹی سی بات ایک بڑے لڑائی جھگڑے کی بنیاد بن گئی۔

میاں بیوی کا کہنا یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہمیں خواہ مخواہ دوسرے سے چڑ محسوس ہو رہی ہوتی ہے، معلوم بھی نہیں ہوتا کہ چھوٹی سی بات پر اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟ چھوٹی سی بات پر اگر زیادہ غصہ آئے تو کوئی نہ کوئی وجہ تو ایسی ہوتی ہے کہ جو خود آپ کو بھی نہیں معلوم۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے اس وجہ کو ڈھونڈنے کی اب تک کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ شوہر اپنے آفس کے کام کے بوجھ یا تناؤ کی وجہ سے تھکا ہارا گھر آتا ہے اور آرام کے لیے مناسب وقت نہ مل سکنے کی وجہ سے مزاج میں خواہ مخواہ کا چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

بس چھوٹی چھوٹی بات پر لہجہ کاٹ کھانے والا ہوتا ہے۔ اس کا مناسب حل یہی ہے کہ آرام کے ذریعے اپنی تھکاوٹ دور کر لی جائے۔ اسی طرح کا معاملہ بیوی کا بھی ہو سکتا ہے کہ گھر کے کام کاج کی کثرت کی وجہ سے جسم ٹوٹ رہا ہے لہذا شوہر کی ذرہ ذرہ سی بات پر پارہ چڑھ رہا ہو اور خود بھی سمجھ نہ آ رہی کہ اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میاں بیوی کچھ دنوں سے ایک دوسرے کی ازدواجی یا رومانس کی ضرورت پوری نہ کر رہے ہوں اور اسی سبب سے رد عمل کی ایک فضا میں پہنچ چکے ہوں۔ بعض اوقات اس کی وجوہات خارجی بھی ہو سکتی ہیں کہ نظر وغیرہ لگ گئی ہو یا کسی رشتہ دار نے حسد میں کوئی تعویذ گنڈا کروا دیا ہو۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کو خواہ مخواہ کے باہمی کھچاؤ کی وجوہات کو تلاش کر کے انہیں ختم کرنا چاہیے اور کھچاؤ ختم کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی کوتاہی کے بارے برداشت اور تحمل کا رویہ پیدا کریں اور دوسرا یہ کہ اگر کچھ سمجھ نہ آئے تو اللہ عزوجل کے سامنے سجدے میں گر جائیں کہ پروردگار! کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ ہی اصلاح فرما دیں اور اس بارے اللہ عزوجل سے رو رو کر دعا کریں۔

میاں بیوی کا تعلق

دوست نے کہا کہ میاں بیوی کے مابین اختلاف یا لڑائی کہاں نہیں ہے لیکن کہیں یہ تعلق زندگی بھر قائم رہتا ہے اور کہیں مہینوں بلکہ دنوں میں ختم ہو جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: میاں بیوی کے تعلق کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ دھکے کا تعلق ہے۔ یہ دھکے سے چلتا ہے، یہ دھکا شوہر لگالے یا بیوی۔ آپ کو سوسائٹی میں ایسے خاندان بھی مل جائیں گے کہ شادی کے شروع میں وہ لڑائی ہوئی کہ بیوی کے جہیز کا سامان ٹرک بھر کر واپس میکے پہنچ گیا لیکن آج نہ صرف ان میاں بیوی کی اولاد ہے بلکہ ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی ہیں۔

میاں بیوی کے تعلق میں یہ خواہش کرنا کہ اختلاف اور لڑائی نہ ہو، تو یہ بالکل غلط خواہش ہے۔ صحت مند زندگی کے لیے جتنا اختلاف ضروری ہے، اتنا ہی لڑائی بھی لیکن یہ دونوں چیزیں اس وقت آپ کے لیے عذاب بن جاتی ہیں جبکہ آپ کو لڑائی کرنا تو خوب آتی ہے لیکن صلح کا تجربہ نہیں ہے۔ قرآن مجید نے تو ازواج مطہرات تک کو طلاق کی دھمکی دی۔ یہ رشتہ ہی ایسا ہے کہ کاؤنسلنگ کرنے والے بے چارے خود بعض اوقات کاؤنسلنگ کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ تو اگر آپ اختلاف اور لڑائی نہیں کرتے تو آپ ذہنی طور بیمار ہیں لیکن اگر زندگی کو آپ نے متوازن بنانا ہے تو پھر کچھ چیزیں مزید سیکھیں۔ میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو منانا اور ماننا سیکھیں۔

اگر شوہر کو منانا آتا ہو اور بیوی جلد مان جانے والی نہ ہو تو لڑائی آزمائش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر شوہر نے منانا سیکھ لیا ہے تو بیوی کو ماننا سیکھنا پڑے گا یا اس کے برعکس سمجھ لیں۔ میاں بیوی کا آئیڈیل تعلق وہ ہے کہ جس میں محبت موجود ہو کہ قرآن مجید نے کہا کہ اللہ عزوجل نے اس رشتے میں محبت اور الفت ڈال دی ہے۔ اب یہ محبت ہر جگہ موجود ہوتی ہے لیکن میاں بیوی دونوں اس کے اظہار سے ڈرتے ہیں کہ دوسرا سر چڑھ جائے گا۔

میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے کہ اگر کچھ عرصہ ایک ساتھ گزار لیں تو ان کے لیے ایک دوسرے سے علیحدہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن اس مشکل کو وہ محبت کا نام دینا تو کجا اسے محبت سمجھنے سے بھی کتراتے ہیں۔ اور اس کی وجوہات کئی ایک ہیں؛ کچھ معاشرتی ہیں اور کچھ نفسیاتی ہیں۔ پس جب تک

اختلاف اور لڑائی میں دونوں ایک دوسرے کی طرف دل سے کھچاؤ (attraction) محسوس کرتے رہیں تو یہ محبت کی حالت میں ہیں، چاہے اس کا اظہار نہ بھی کریں۔

لڑائی اور اختلاف میں ہلکی سی گرہ لگ جاتی ہے، بس تھوڑی سی توجہ، یا حوصلے، یا صبر، یا انانیت کو ترک کر دینے سے وہ گرہ کھل جاتی ہے اور بڑی سے بڑی لڑائی بھی یوں محسوس ہوتی ہے کہ جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ بس اس گرہ کو کھولنا سیکھیں، اور یہ سیکھنا تبھی آئے گا جبکہ انانیت کم ہو جائے۔ اور انانیت کو کم کرنے کا ایک نسخہ یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کو دیکھے کہ آج گھر کے کام کاج سے کافی تھک گئی ہے تو اس کے پاؤں دبا دے اور بیوی اگر شوہر کو دیکھے کہ باہر سے کافی تھکا ہارا آیا ہے تو اس کے پاؤں دبا دے۔ کچھ ہی عرصے میں انانیت جاتی رہے گی اور منانا، ماننا بھی سیکھ جائیں گے۔ اللہ جلد مان جانے والے پر رحم فرمائے اور منانے والے پر تو دوگنا رحم فرمائے کہ اس کی قربانی زیادہ ہے اور اسی کی وجہ سے گھر کا ادارہ قائم ہے۔

میاں بیوی کی کاؤنسلنگ

خاندان کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی (basic unit) ہوتا ہے، اگر یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے تو معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک عمارت اینٹوں سے مل کر بنتی ہے تو معاشرہ، خاندانوں سے مل کر بنتا ہے اور خاندان، میاں بیوی سے بنتا ہے۔ لہذا میاں بیوی کا رشتہ کسی بھی معاشرے کی اصلاح اور بگاڑ میں بنیادی خشت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان کا سب سے پسندیدہ گناہ میاں بیوی میں لڑائی کروانا اور جدائی ڈلوانا ہے۔

ہر باشعور شخص اس بات کو شدت سے محسوس کر رہا ہے کہ طلاق، خلع اور علیحدگی کی شرح شادی اور نکاح سے بہت بڑھ گئی ہے۔ ایک سال کے عرصے میں اتنے خاندان آپس میں جڑتے نہیں ہیں جتنے ٹوٹ جاتے ہیں۔ بہر حال اس توڑ پھوڑ کے اسباب اور وجوہات ہوں گی کہ کوئی بھی کام کسی سبب اور وجہ کے بغیر نہیں ہوتا لیکن یہ کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے کہ خاندان کو توڑ پھوڑ سے کیسے بچایا جائے؟ تو اس کا بہترین حل میاں بیوی کی کاؤنسلنگ ہے۔

کاؤنسلنگ یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں اپنا مسئلہ کسی تیسرے آدمی کے سامنے رکھیں کہ جس پر

ان کو اعتماد ہو اور وہ تیسرا شخص پوری دیانتداری کے ساتھ ان کے اختلافات میں دونوں کو نصیحت کرے کیونکہ شکایت دونوں طرف سے ہوتی ہے اور عموماً کوتاہی بھی دونوں طرف سے ہی ہوتی ہے لہذا نصیحت بھی دونوں ہی کو ہونی چاہیے۔ البتہ کسی کسی کیس میں کوتاہی کسی ایک ہی کی جانب سے بھی ہو سکتی ہے۔

میاں بیوی کے جھگڑے عموماً چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہوتے ہیں لیکن ذرا سی انا پر طول پکڑ جاتے ہیں اور ذرہ سے جھک جانے پر ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں شوہر کو زیادہ سمجھانا چاہیے کہ وہ گھر کا بڑا ہے لہذا سمجھداری کی توقع بھی اسی سے ہی ہے کہ عموماً عورتوں کا مسئلہ بس صرف تھوڑی سی توجہ کا ہوتا ہے، جب انہیں وہ توجہ مل جائے، تو ان کا جھگڑا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور شوہر اپنی انا اور ضد کی وجہ سے وہ تھوڑی سی توجہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

یہ بھی درست ہے کہ میاں بیوی کے بعض مسائل واقعتاً بڑے بھی ہوتے ہیں جیسا کہ شوہر کو بیوی یا بیوی کو شوہر کے کردار پر شک ہے۔ قرآن اکیڈمی، ریسرچ سینٹر میں آٹھ سالہ ملازمت کے دوران بہت سے جوڑوں کی کاؤنسلنگ کا موقع ملا بلکہ اب بھی گاہے بگاہے جاری رہتی ہے تو اس حوالے سے ایک سوالنامہ ترتیب دیا جو پوسٹ کے ساتھ ملحق امیج کی صورت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

کافی عرصے سے یہ خواہش تھی کہ سائیکو اینالسس کی تھیوری کی روشنی میں کچھ علماء اور سائیکالوجسٹ مل کر کوئی ایسا فورم تشکیل دیں کہ جہاں مذہب اور سائیکالوجی کی روشنی میں میاں بیوی کی کاؤنسلنگ کی جاتی ہو۔ بہر حال وہ تو فی الحال ایک خواب ہی ہے لیکن جو علماء، سائیکالوجی سے دلچسپی رکھتے ہوں اور میاں بیوی میں صلح کروانے کی خواہش بھی ہو تو ملحق سوالنامہ کی رہنمائی میں کچھ نہ کچھ حصہ اس کار خیر میں ڈال سکتے ہیں۔ کاؤنسلنگ سے ضروری نہیں ہے کہ میاں بیوی کا مسئلہ حل ہو جائے لیکن انہیں کم از کم اتنا پتا ضرور چل جائے گا کہ ان کے مسئلے کا حل کیا ہے؟

بیوی/شوہر پر بلاوجہ کی ٹینشن نہ نکالیں

یہ آپ کی اپنی بیوی ہے، اس پر بلاوجہ کی ٹینشن نہ نکالیں۔ آپ اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاشرے کا ہر فرد افراتفری کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے۔ ہر شخص عجلت

میں ہے، اگر کوئی دعوت ولیمہ پر جارہا ہے تو گاڑی ایسے ڈرائیو کر رہا ہوتا ہے جیسے کسی کے جنازے پر پہنچنا ہو۔ یہ معاشرہ جلد بازوں اور عجلت پسندوں کا معاشرہ بن چکا ہے۔ اور جہاں عجلت اور جلد بازی ہوتی ہے، وہاں ٹینشن بڑھ جاتی ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی کا دوسرا برا پہلو کاموں کا دباؤ ہے۔ ایک جان اور لاکھوں کام۔ معاشرت کے جدید اسٹائل نے ہمارے کاموں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ خاص طور شہروں میں تو لوگوں کے پاس سوچنے کا بھی وقت نہیں ہے۔ گھر سے چھوٹا سا کام کرنے نکلتے ہیں تو ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔ بے برکتی اتنی ہے کہ کوئی کام وقت پر نہیں ہو پاتا اور ہر کام میں سے دو کام نکل آتے ہیں۔ اور جب کام ہاتھ میں نہیں آ پا رہے ہوتے تو ٹینشن بڑھتی ہے۔ یہ میاں بیوی دونوں کے ساتھ ہوتا ہے، خاص طور جبکہ بیوی ملازمت کرتی ہو۔

مردوں کی ٹینشن بڑھنے کی اور بھی وجوہات ہوتی ہیں، لیکن فہرست لمبی ہو جائے گی۔ کام کی بات یہ ہے کہ ٹینشن بڑھنے سے انسان کی برداشت کم ہو جاتی ہے اور اسے جلدی غصہ آنے لگتا ہے کہ جسے ہم کہتے ہیں کہ وہ "شارٹ ٹمپرڈ" (short tempered) ہو گیا ہے۔ اور جب انسان کو غصہ جلدی آنے لگے تو وہ نکلتا بھی جلدی ہے۔ اور جب غصہ جلدی نکلتا ہے تو ظاہری بات ہے کہ غلط ہی نکلتا ہے، وہ صحیح جگہ نہیں نکلتا۔ اور غصہ اگر غلط جگہ کیا گیا ہے تو اس کا حساب تو دینا ہو گا۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ کاموں کے دباؤ یا تاخیر کی وجہ سے انسان ٹینشن کی کیفیت میں ہوتا ہے اور لاشعوری طور پر یہ ٹینشن اپنے بیوی بچوں پر نکالتا رہتا ہے۔ اور ظاہری بات ہے کہ ٹینشن، ٹینشن ہی پیدا کرتی ہے۔ بیوی بھی اس سے ٹینس ہو جاتی ہے۔ اور اگر بیوی شریف النفس ہو تو دبی رہتی ہے اور سن لیتی ہے لیکن اس کے اندرونی نفسیاتی مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ اور اگر دبنگ ہو تو جواب میں وہ بھی ٹینشن نکالتی ہے اور بعض اوقات تو سیر کو سوا سیر کا جواب مل جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ ایسے میاں بیوی عوامی مقامات (public places) پر آپ کو ایک دوسرے پر چیختے چلاتے اور شاؤٹ کرتے بھی مل جائیں گے۔ اسی طرح بعض بیویاں ایسی ہوتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر اپنی فرسٹریشن اپنے شوہر پر نکال باہر کرتی ہیں، انہیں بھی اپنے رویے کو ریوائز کرنا چاہیے۔

کبھی کبھی تو دل کرتا ہے کہ میاں بیوی کی کاؤنسلنگ کا کوئی ادارہ ہی کھول لوں۔ نفسیات تو ساری اب سائکیاٹری (Psychiatry) بن چکی ہے کہ ڈاکٹر کے پاس آسان علاج ہے کہ نینداور سکون کی دوائیاں دے کر جان چھڑوالو اور میاں بیوی کو ڈرگ ایڈکشن میں مبتلا کردو۔ بھئی، نینداور سکون سے ان کا مسئلہ تو حل نہیں ہونا۔ میاں بیوی کو پہلے ان کا مسئلہ بتاؤ، معاشرت پر غور کرو، دماغ لڑاؤ، پھر ذہن کے کام کرنے کے اسالیب پر غور کرو، پھر ان کی کاؤنسلنگ کرو تو مسئلہ حل ہو گا۔

جدید معاشرتی لائف اسٹائل، کام کے دباؤ کی وجہ ہے۔ کام کا دباؤ یا کوئی کام وقت پر نہ ہو سکنا، غصے کی وجہ ہے۔ غصہ کرنا، لڑائی کی وجہ ہے۔ اور لڑائی، دماغی مسائل کی وجہ ہے۔ سکون آور گولیاں کھانے کی بجائے اپنے لائف اسٹائل اور کاموں کی فہرست کو ریوائز کرو۔ شوہر اپنے کام کم کرلے اور بیوی اپنے کام کم کرلے۔ شوہر، بیوی کو وقت دے اور بیوی، شوہر کو وقت دے۔ اور دونوں اسمارٹ فون اور لیپ ٹاپ کا وقت بچوں کو دیں۔ ہم بھی کتنے سادہ ہیں کہ دن بھر کی تھکاوٹ کے بعد ریلیکس ہونے کے لیے واٹس ایپ اور فیس بک پر بیٹھتے ہیں اور اپنے آپ کو مزید تھکا لیتے ہیں کہ یہ بھی ایک ذہنی کام ہی ہے۔

بیوی کے ساتھ زبردستی کرنا

بیوی کے ساتھ زبردستی تعلق قائم کرنے کے (marital rap) بارے سوالات بہت تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، میاں بیوی دونوں کی طرف سے۔ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے فی الحال تین بڑے پہلو ہیں؛ مذہبی، نفسیاتی اور قانونی۔ مذہبی اعتبار سے بیوی اس بات کی پابند ہے کہ جب اس کا شوہر اسے اپنے بستر پر بلائے تو وہ انکار نہ کرے اور اگر وہ انکار کرے تو اس پر ساری رات فرشتوں کی لعنت رہتی ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ بات عورت کو سمجھ نہیں آ سکتی کیونکہ وہ مرد نہیں ہے اور مرد کی سائیکالوجی کو نہیں سمجھ سکتی، البتہ فرائیڈ اگر یہ بات کرتا تو اس پر ہزاروں نہ سہی تو سینکڑوں کتابیں ضرور لکھی جا چکی ہوتیں۔

پس اگر بیوی اپنے شوہر کو انکار کر دے تو شوہر اپنی بیوی سے زبردستی کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس بارے فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ بیوی کا یہ انکار کرنا "نشوز" یعنی سرکشی ہے اور نشوز کے بارے قرآن مجید

نے یہ ہدایت دی ہے کہ پہلے اپنی بیوی کو وعظ کرے، اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو بستر علیحدہ کر لے، اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو اس پر سختی کرے۔ اگر تو اس کے باوجود بیوی انکار پر اصرار کرے تو وہ نان نفقے کی مستحق نہیں رہتی۔ یہاں یہ فرق ملحوظ رہے کہ فقہاء کے نزدیک اس انکار سے مراد بیوی کا بلا وجہ انکار کرنا ہے۔ اور اگر انکار کی کوئی وجہ ہے جیسا کہ بیوی بیمار ہے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو نفسیاتی ہے کہ عورت کی نفسیات یہ ہے کہ اس کے لیے یہ برداشت کرنا مشکل ہے کہ اس کے ساتھ زبردستی کا کوئی تعلق قائم کیا جائے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ جب وہ خود اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرنے کے لیے دلی طور تیار ہو جائے تو اس وقت اس سے ایسا تعلق قائم کیا جائے، ورنہ تو اس کے لیے شدید ذہنی اور نفسیاتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، ان میں سے ایک اس فعل سے ہی نفرت کرنا یا خود خاوند سے نفرت کرنا بھی شامل ہے۔ اکثر بیویوں کے اپنے خاوندوں سے بھاگنے کی وجہ یہی ہے کہ ان سے ان کی رضامندی کے بغیر تعلق قائم کر لیا جاتا ہے جو ان کے ذہنی مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔

میرے خیال میں اعلیٰ اخلاق یہی ہیں کہ اگر خاوند کے ہاتھ لگانے پر بیوی اس کے ہاتھ کو جھڑک دے تو اس کو ہاتھ لگانے کا خیال بھی دل سے نکال دے۔ اور یہی رویہ اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے سے ہمیں ملتا ہے کہ جب آپ کے ہاتھ لگانے پر آپ کی ایک منکوحہ نے غلط فہمی میں اعوذ باللہ پڑھ دی تو طبیعت کی نفاست کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اتنی بات پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی کہ شاید اسے میرا ہاتھ لگانا پسند نہیں آیا لہذا اس لیے اس نے اعوذ باللہ پڑھی ہے جبکہ اس منکوحہ کو کسی اور زوجہ محترمہ نے یہ کہا تھا اور جان بوجھ کر کہا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے مزاج کو جانتی تھیں اور پسند نہیں کرتی تھیں کہ آپ کی زوجیت میں کسی اور خاتون کا اضافہ ہو۔

ہمارے ہاں عموماً جو شادیاں ہوتی ہیں تو لڑکے اور لڑکی میں پہلے سے کوئی مانوسیت اور الفت نہیں ہوتی لہذا ایسی صورت میں پہلے دن ہی ایسا تعلق قائم کرنا عموماً لڑکی کے لیے ایک ذہنی اذیت کا سبب بن جاتا ہے اور اس فعل سے نفرت ساری زندگی کے لیے اس کے لاشعور کا حصہ بن جاتی ہے۔ آپ کی بیوی اگر پہلے دن آپ کو ہاتھ لگانے سے روکتی ہے تو میرے خیال میں یہ فطری چیز ہے، اسے

وقت لینے دیں۔ دو تین دن میں بات چیت سے مانوسیت پیدا کریں اور پھر کوئی ایسا تعلق قائم کریں ورنہ آپ اسے ذہنی مریض بھی بنا سکتے ہیں، خاص طور اس تعلق کے حوالے سے۔ نکاح کے دو بول سے اگرچہ حقیقت تو تبدیل ہو گئی ہے کہ وہ آپ کی منکوحہ بن گئی ہے لیکن ایک پردہ دار خاتون کے لیے اسے ذہناً قبول کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے کہ کوئی اس کے پورے جسم کا مالک بن چکا ہے، اور وہ بھی چند لمحوں میں۔

اس مسئلے کا تیسرا پہلو قانونی ہے تو بعض ممالک میں بیوی کے ساتھ زبردستی کو ایک جرم سمجھا جاتا ہے کہ جس کی سزا بھی ہے جیسا کہ امریکہ، برطانیہ، روس، جاپان اور ترکی وغیرہ میں یہ ایک جرم ہے کہ شوہر یا بیوی میں سے کوئی بھی اپنے پارٹنر کے ساتھ زبردستی تعلق قائم کرے اور اکثر یورپین ممالک میں یہ ایک جرم ہی ہے۔ جبکہ دوسری طرف اکثر مسلم اور مشرقی ممالک مثلاً انڈونیشیا، ملائیشیا، سعودی عرب، ایران، چین، انڈیا وغیرہ میں یہ جرم تصور نہیں ہوتا اور یہی بات درست ہے۔

ٹھیک ہے کہ بیوی لونڈی نہیں ہے، بیوی اور لونڈی میں یہی فرق ہوتا ہے کہ بیوی سے زبردستی نہیں کی جاتی لیکن ایسی صورت میں بیوی اگر اتنی ہی تنگ ہے تو اس کے پاس خلع کا آپشن تو موجود ہے۔ اب یہ کیا بات ہوئی کہ اس نے رہنا بھی اسی شوہر کے ساتھ ہے، اور شوہر سے نان نفقہ بھی پورا لینا ہے اور اس کے حق کی بات آئے تو اب بیوی کہے کہ میرے نفسیاتی مسائل ہیں، ذہنی ہم آہنگی کے بغیر میں اپنا آپ اس کے حوالے کیسے کر سکتی ہوں؟ تو بی بی پھر ایسے شوہر سے علیحدگی لے لو یا پھر کم از کم اس سے نان نفقے کا مطالبہ ہی بند کر دو کہ اسے تو اس پر لگایا ہوا ہے کہ وہ تمہارے مسائل سمجھے لیکن یہ کہ تم اس کے مسائل کو کنسڈر کرو تو یہ بات تمہیں سمجھ نہیں آتی۔ اور اس کے اصرار پر وہ تمہیں "جنسی حیوان" لگنے لگتا ہے لیکن وہ تو نان نفقے کے مطالبے پر تمہیں "معاشی حیوان" نہیں کہہ رہا۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ مزاج کی نفاست اور اعلی اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ شوہر اس معاملے میں بیوی کے ساتھ زبردستی نہ کرے بلکہ افہام و تفہیم سے اس مسئلے کو حل کرے، اور اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو اگر زیادہ تنگ ہے تو بیوی کا نان نفقہ بند کر دے۔ لیکن اگر شوہر ایسا کر لے تو یہ کوئی گناہ یا جرم نہیں ہے کہ جس کے لیے شوہر پر کوئی اخروی یا دنیاوی سزا لاگو ہو اور ایسی صورت میں اگر بیوی

کے لیے نفسیاتی مسائل پیدا ہوں تو اس کے لیے خلع کا رستہ کھلا ہے۔ اگر ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے اور شوہر سے واقعی میں کچھ فائدہ بھی حاصل نہیں ہو رہا تو پھر بہتر یہی ہے کہ شوہر کو صبر کی تلقین کرنے کی بجائے اس سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

بیوی اور جنسی تشدد

بی۔بی۔سی کی رپورٹ کے مطابق ایک انڈین وزیر نے یہ بیان دیا کہ اگر بیوی اپنے شوہر کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دے تو اسے قانون کی نظر میں بیوی کی طرف سے شوہر پر "جنسی تشدد" قرار دیا جائے۔ بہر حال ویمن رائٹس والوں نے شور مچا کر اس بات کو دبوا دیا۔

بات یہی ہے کہ اگر آپ یوں قانون سازی کرنا شروع کر دیں گے کہ شوہر اپنی بیوی سے زبردستی کرے تو یہ "ریپ" (rap) ہو گا تو اس کے نتیجے میں ایسی قانون سازی بھی عقلی اور منطقی ہی کہلائے گی کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو انکار کرے تو اسے "جنسی تشدد" قرار دیا جائے۔ مرد اور عورت کے حقوق کی خاطر اس طرح کی قانونی لڑائیوں کا کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہے۔

اور یہ بات درست ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات جب خراب ہوتے ہیں تو اکثر عورتیں اپنے شوہر کی جنسی خواہش کی کمزوری کو ایکسپلائٹ کرتی ہیں اور اسے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرنے کے لیے اسے ایک ٹول کے طور استعمال کرتی ہیں۔ اور مرد اس بات کو خوب محسوس کرتے ہیں کہ اس سے ان کی سیکچوئل فرسٹریشن (sexual frustration) میں اضافہ ہوتا ہے۔

اب یہاں مرد اگر دنیادار ہو تو ضد میں اپنی خواہش باہر سے پوری کر لیتا ہے لیکن بیوی کے سامنے جھکتا نہیں ہے۔ بعد میں جب وہ خواہش باہر سے پوری کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو بیوی درس قرآن کی کلاسز لینا شروع کر دیتی ہے اور مظلوم بن کر یہ فتوے پوچھتی پھرتی ہے کہ ایسے شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے کہ نہیں کہ جس کے غیر محرم عورتوں سے ناجائز تعلقات ہوں۔

اور شوہر اگر دیندار ہو تو طلاق کی طرف نکل جاتا ہے۔ اسی لیے ہمارے دین میں بیوی کے اپنے شوہر کو اس مسئلے میں انکار کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ ساری رات فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ عورتوں کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ دین کا یہ حکم ان کی بھلائی میں ہے، سو فی صد بھلائی ہے۔ وہ اس پر

عمل نہ کر کے تو دیکھیں، یا گھر ٹوٹ جائے گا یا شوہر آوارہ ہو جائے گا، تیسری کوئی آپشن نہیں ہے۔

میاں بیوی میں اورل سیکس

کچھ دوست میاں بیوی میں اورل سیکس کے بارے سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ جائز ہے؟ جواب:
اورل سیکس مشرقی عورت کے لیے تو ایک ذہنی اذیت ہے ہی کہ بچوں کو پالنے کے ساتھ گھر بار کو سنبھالنا، خاوند کے خاندان کو سنبھالنا یا ملازمت کرنے وغیرہ جیسی ذمہ داریوں کے ساتھ ستر فی صد کو تو سیکس میں ہی ذرہ برابر دلچسپی محسوس نہیں ہوتی چہ جائیکہ انہیں اورل سیکس میں رغبت ہو لہذا ان کی اکثریت کے لیے یہ ایک ذہنی عذاب ہی ہے۔

جہاں تک شوہروں کی بات ہے تو ان کا یہ مسئلہ ہے بلکہ بڑا مسئلہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ اپنی بیوی سے چاہتے ہیں جو طوائفوں سے کیا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے انٹرنیٹ آیا ہے تو یہ بیماری بڑھ گئی ہے۔ اکثر شادی شدہ نوجوان بلکہ جن کی بیٹیاں بھی جوان ہیں، وہ بھی لیپ ٹاپ، کمپیوٹر وغیرہ پر بیٹھ کر فحش ویب سائیٹس وزٹ کرتے ہیں اور اپنی سیکس کی خواہش کی تسکین کے لیے اپنے ذہن میں ایک آئیڈیل بنا لیتے ہیں کہ ہمیں بھی اپنی بیوی سے ایسے لذت حاصل کرنی ہے۔

یہ بات پورے دعوے سے کی جا سکتی ہے کہ سو میں سے نوے شوہر کہ جنہیں اورل سیکس کا خیال آتا ہے، انہوں نے فحش ویب سائیٹ وزٹ کر رکھی ہوتی ہیں۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اورل سیکس کا خیال بھی فطری نہیں ہے بلکہ کسی سبب سے ہے اور وہ سبب فحش ویڈیوز ہیں۔ آپ سبب ختم کر دیں، آپ کو اس کا خیال آنا بند ہو جائے گا۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے ہی نہیں۔ مرد میں اورل سیکس کی خواہش اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ سیکس اس کے ذہن میں گھس جائے۔ اگر کسی نے ذہن میں بٹھا ہی لیا ہے کہ اسے اپنے پالتو کتے سے مزہ آتا ہے تو اسے آنا ہی ہے لیکن یہ صرف ذہنی تسکین ہے نہ کہ جسمانی۔ اس لیے اصل لذت اور مزہ تو وہاں ہی ہے جہاں قرآن مجید نے حکم دیا ہے یا جو انسانی فطرت میں شامل ہے، اور رہی غیر فطری مقامات سے لذت حاصل کرنے کی بات تو یہ ذہن میں حاصل ہوتی ہے کہ یہ پیدا بھی وہیں ہوئی تھی۔

اور سیکس جب ذہن میں گھس جائے تو پھر اس خواہش کی تسکین ممکن نہیں ہے۔ یہ بے چارہ ہر

وقت پریشان رہے گا اور اس کی توجیہ یہ کرے گا کہ میرے اندر اللہ نے عام انسانوں سے زیادہ جنسی خواہش رکھی ہے، بے وقوف نہ ہو تو۔ بس سیکس ایک ضرورت ہے، اسے ضرورت سمجھیں اور قرآن مجید نے تو اس کے بیان کے وقت کہا کہ اولاد کے حصول کی نیت سے بیوی کے پاس جاؤ، یعنی ایک تو اس کو با مقصد بنا دیا کہ تمہاری جنسی خواہش کی تکمیل بھی اللہ کے گرینڈ پلان کا حصہ بن جائے اور دوسرا یہ کہ اولاد کی نیت سے بیوی کے پاس جاؤ گے تو یہ ضرورت تو رہے گا لیکن ذہن پر سوار نہیں ہو گا۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ﴾ [البقرة: 223] ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتی ہیں۔ پس تم اپنی کھیتی کے پاس آؤ جیسے تم چاہو اور اپنے آگے کے لیے کچھ کرتے رہو۔ لیکن اس بات کے بیان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اولاد کے حصول کی نیت کے علاوہ نفس کی تسکین کے مقصد سے بیوی کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے۔ ہم نے صرف اتنی بات کی ہے کہ بیوی کے پاس جانے کے جو مقاصد ہیں، ان میں سے اعلی ترین مقصد اولاد کا حصول ہے جبکہ نفس کی تسکین ایک ادنی مقصد ہے۔ اور نفس کی تسکین بھی اس جذبے کے ساتھ ہو کہ نفس خوش ہو گا تو اللہ کا شکر اچھی طرح سے ادا کرے گا۔

شرعی مسئلے کے طور مجھے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اورل سیکس سے اجتناب کرنا چاہیے کہ قرآن مجید نے عورتوں کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ تم کھیتی میں آؤ۔ اور کھیتی وہ مقام ہے جہاں بیج بویا جا سکے اور فصل حاصل ہوتی ہو اور یہ عورت میں مادر رحم کا مقام ہے کہ جہاں سے انسان کو اولاد حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا نطفہ ایک طرح سے بیج ہے تو اس سے حاصل ہونے والی اولاد فصل ہے۔ جب زندگی بے مقصد ہو، ذہن خالی ہو تو سیکس برائے سیکس کا خیال آئے گا لیکن اگر زندگی با مقصد ہے تو انسان سیکس کو ایک ضرورت سے زیادہ کی حیثیت نہیں دے سکتا، یہ طے ہے۔

اگر قانونی بات کریں تو مذی سب فقہاء کے نزدیک نجس ہے اور مذی سے مراد وہ سفید رنگ کا مادہ ہے کہ جس کا شرم گاہ سے اخراج شہوت کے وقت منی سے پہلے ہوتا ہے۔ مذی کے اخراج پر غسل فرض نہیں ہے بلکہ صرف وضو ہے جبکہ منی کے اخراج پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اور مذی اور منی میں فرق یہ ہے کہ منی اچھل کر باہر نکلتی ہے اور اس کے اخراج سے انسان کی خواہش پوری ہو

جاتی ہے اور وہ سکون میں آجاتا ہے۔ لیکن مذی نہ تو جھٹکے سے خارج ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے اخراج سے خواہش پوری ہوتی ہے۔ تو اورل سیکس کی صورت میں مذی کی نجاست سے منہ کا ملوث ہونا لازمی امر ہے اور اہل ایمان کو ہر قسم کی نجاست سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اہل ایمان کے بارے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ جو کہ پاک صاف رہنے میں مبالغہ کرنے والے ہوتے ہیں، اللہ عزوجل ان سے محبت رکھتے ہیں۔

اس فعل کا ازدواجی زندگی کے بننے اور بگڑنے سے بھی گہرا تعلق ہے۔ عموماً سیکس میں جن باتوں سے شریعت نے منع کیا ہے تو کسی حکمت کی وجہ سے منع کیا ہے جیسا کہ بیوی کے ساتھ حالت حیض (mesus) میں تعلق قائم کرنا تو یہ حرام ہے کہ یہ عورتوں کے لیے تکلیف دہ عمل ہے۔ اور اگر شوہر نے زبردستی ایسا کیا تو اس سے بیوی میں رد عمل پیدا ہو جائے گا اور اس کے نفسیاتی مسائل شروع ہو جائیں گے۔ اسی طرح شریعت نے بیوی سے پیٹھ میں مباشرت کرنے (anal sex) سے منع کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے کہ یہ بھی بیوی کے لیے ذہنی اور جسمانی اذیت کا باعث ہے۔ اسی طرح کا معاملہ اورل سیکس کا بھی ہے۔

تو سیکس کا عمل میاں بیوی کی باہمی قربت، محبت اور الفت کو بڑھانے کا عمل ہے نہ کہ بیوی کو ذہنی کوفت اور جسمانی اذیت پہنچانے کا عمل۔ ہمارے معاشرے میں ایک بڑی تعداد ایسی بیویوں کی ہے جو اپنے شوہروں کے ان حیوانی رویوں سے تنگ ہیں لیکن بچوں کی خاطر کمپرومائز کیے ہوئے ہیں۔ باقی یہ بات بھی درست ہے کہ میاں بیوی کے سیکس میں بہت کچھ ایسا حلال بھی ہے کہ جسے لوگوں نے اپنے توہمات سے حرام سمجھا ہوا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ باقی سب کچھ حلال ہے تو یہ بات درست ہے۔ اب حالت حیض میں بھی بیوی سے صرف مباشرت (intercourse) سے منع کیا گیا ہے جبکہ اس کے علاوہ سب جائز اور حلال ہے۔ اور بیوی کو اس سب کچھ سے اپنے شوہر کو منع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس سے اس معاملے میں تعاون کرے۔

اب ہو سکتا ہے کہ کچھ شرمیلے مولوی دوست یہ کہیں کہ حافظ صاحب کیا موضوع لے بیٹھے ہیں؟ بھئی، مجھے تو یہ پتہ ہے کہ اگر ابا جان اپنے بیٹے کو جو کہ بالغ ہونے کے قریب ہے، نہیں بتلائیں

گے کہ بلوغت کیا ہوتی ہے، کیسے ہوتی ہے، اور اس کے کیا مسائل ہیں؟ تو اس نے سیکھ تو لینا ہی ہے جیسے آپ نے سیکھ لیا لیکن پھر باہر سے سیکھے گا۔ اور باہر سے جو اس کو سکھلائے گا تو وہ صرف یہ نہیں بلکہ اور کچھ بھی سکھلا دے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ علماء ایسے موضوعات پر بات کریں اور لوگوں میں آگاہی پیدا کریں ورنہ تو وہ یہ سب کچھ سیکھ ہی رہے ہیں۔ آپ شرم شرم کرتے خاموش رہیں گے اور معاشرے میں سیکس سیکس ہوتا رہے گا۔ واللہ اعلم

ساس، سسر کی خدمت کرنا

کچھ عرصہ پہلے کراچی جانا ہوا تو بعض مذہبی ذہن رکھنے والے نوجوانوں نے اپنی ایک پریشانی سامنے رکھی کہ ہم کسی مذہبی لڑکی یعنی کسی عالمہ فاضلہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن گھر والے راضی نہیں ہوتے۔ میں نے کہا کہ گھر والوں کا کیا اعتراض ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ گھر والے کہتے ہیں کہ عالمہ فاضلہ کو گھر لانے کا مطلب گھر میں ایک بوجھ (Burdon) کا اضافہ کرنا ہے کہ کام تو اس نے کوئی کرنا نہیں ہے، البتہ آرام سارے وصول کرنے ہیں۔

میں نے کہا کہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ عالمہ فاضلہ کے کام کاج نہ کرنے یا نکمے ہونے سے کیا تعلق ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہاں کراچی میں بعض مفتی حضرات نے فتویٰ دیا ہے کہ عورت پر اپنے خاوند کے علاوہ اس کے گھر والوں بشمول ساس، سسر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہے، یہاں تک کہ عورت پر یہ بھی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ خاوند کے لیے کھانا بنائے، کپڑے دھوئے، برتن صاف کرے وغیرہ۔ میں نے کہا ایسے فتووں کا تو ایسا ہی نتیجہ نکلنا تھا اور یہ فطری نتیجہ ہے۔ جب آپ نے دیندار عورت کی ذمہ داریاں ساری معاف کر دی ہیں اور ساتھ میں حقوق اسے سارے دے دیے ہیں تو اب لوگوں نے بیٹوں کی شادی کے معاملے میں دنیادار عورتوں کو ہی ترجیح دینی ہے کہ کم از کم گھر کے کام کاج میں تو ہاتھ بٹائے گی۔

انہوں نے کہا کہ آپ یہ بتلائیں کہ ساس سسر کی خدمت عورت کی دینی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ آپ یہ بتلائیں کہ عورت کو ملازمہ رکھ کر دینا اس کا دینی حق ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ اگر آپ شریعت اور فقہ ہی سے مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں تو

عورت کو جس طرح شریعت اور فقہ کی روشنی میں ذمہ داریوں سے آزاد کیا ہے، اسی طرح اس کے حقوق بھی ختم کریں، تو توازن پیدا ہو گا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جب عورت کے کام کرنے کی باری آئے تو پھر اس کی دینی ذمہ داری اور جب اس کے لینے کی باری آئے تو اب عرف اور رواج کیا ہے؟ اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔

اور حقیقی بات یہی ہے کہ میاں بیوی کے حقوق و فرائض کا تعین عرف اور رواج سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید نے بھی یہی کہا ہے کہ جیسے بیویوں کے حقوق ہیں، ویسے ہی ان کے فرائض بھی ہے، عرف کے مطابق۔ کیا یہ کوئی شرعی یا فقہی ذمہ داری ہے کہ مرد اپنی بیوی کو سپلٹ اے سی لگوا کر دے، ڈبل بیڈ اور صوفہ سیٹ خرید کر دے، گیزر اور ہیٹر کی سہولت مہیا کرے، بجلی اور گیس کا کنکشن لگوا کر دے لیکن اس کے باوجود اگر مرد ایسا کر رہے ہیں اور مفتی صاحب کوئی ایسی تحریک چلا دیتے ہیں کہ جس میں مردوں کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ان پر واجب نہیں ہے تو فریق مخالف کی چیخیں نہیں نکلیں گی تو کیا ہو گا؟ اور یہی کام ہمارے ممدوح مفتی صاحب کر رہے ہیں کہ عورتوں کے حقوق بیان کر کے مردوں کی چیخیں نکلوانا چاہتے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ بہو گھر میں لانے کا مطلب خادمہ اور نوکرانی لانا ہے، یہ تصور بھی بالکل غلط ہے، لیکن یہ کون سا دین ہے کہ گھر میں ساس، سسر بھوکے ہوں اور بیوی یہ کہے کہ میں انہیں کھانا اس لیے بنا کر نہیں دے سکتی کہ یہ میری دینی ذمہ داری نہیں ہے اور اللہ کے رسول ﷺ یہ فرمائیں کہ جس کا پڑوسی بھوکا سو جائے، وہ مومن نہیں ہے، وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم، وہ مومن نہیں ہے۔ تو اللہ کے رسول ﷺ تو پڑوسی کے بھوکا سو جانے پر ایمان کی نفی کر دیں اور گھر میں ساس، سسر بھوکے ہوں تو وہ مومنہ بلکہ عالمہ فاضلہ ہے؟ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ یہ دین، دین فطرت ہے، فتوی کے نام پر اتنی بڑی غلطی نہ کریں کہ فطرت چیخ چیخ کر بتلائے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ اگر اسی طرح مذہبی عورتوں کے حقوق کے لیے بے معنی فتاوی جاری ہوتے رہے تو وہ وقت بھی قریب آ جائے گا جبکہ سسر گھر میں بیماری سے تڑپ رہا ہو گا اور بیوی اپنے شوہر کو فون کر کے کہے گی کہ جانو! ذرا گھر آ کر اپنے ابا جان کو دوائی پلا دینا، اسے دوائی پلانا میری دینی ذمہ داری نہیں ہے۔

کیا ساس، سسر کی خدمت واجب ہے؟

ساس، سسر کی خدمت کے حوالے سے ایک پوسٹ شیئر کی تھی کہ جس پر بعض دوستوں نے یہ سوال کیا کہ کیا ساس، سسر کی خدمت واجب ہے یا یہ احسان میں شامل ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ [الإسراء: 26]۔ ترجمہ: رشتہ دار کو اس کا حق دو، مسکین کو اس کا حق دو، مسافر کو اس کا حق دو۔ مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق تو اللہ کے رسول ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، تمہارے ملاقاتی کا تم پر حق ہے۔ اور الموطا کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پڑوسی کے حق کی اتنی وصیت کی کہ مجھے لگا کہ اسے وراثت میں حصہ دار بنادیا جائے گا تو کیا ہمارا دین ساس، سسر کو پڑوسی جتنا حق بھی نہ دے گا؟ جبکہ ساس، سسر آیت کریمہ ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ﴾ [النساء: 36] ترجمہ: اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ، اور یتیموں کے ساتھ، اور مساکین کے ساتھ، اور ان پڑوسیوں کے ساتھ جو رشتہ دار بھی ہوں، اور ان پڑوسیوں کے ساتھ جو اجنبی ہوں اور ان پڑوسیوں کے ساتھ جو پہلو میں ہوں، کی روشنی میں ذی القربی، والجار ذی القربی اور الصاحب بالجنب میں داخل ہوں۔

اب اگر مہمان گھر میں آجائے تو اسے کھانا کھلانا اخلاقی حق ہے یا ایسا قانونی [شرعی] حق کہ جس کو ادا نہ کرنے سے وہ گناہ گار ہوگا؟ اگر مہمان کو کھانا کھلانا قانونی حق ہے تو ساس، سسر کو کھانا کھلانا محض ان کا اخلاقی حق ہے کیا؟ اسی طرح معلوم نہیں لوگوں نے احسان کا معنی کیا سمجھ رکھا ہے؟ جب قرآن مجید والدین سے احسان کا حکم دیتا ہے تو کیا اس سے مراد اردو زبان والا احسان ہوتا ہے؟

پھر الموطا کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اور مستدرک حاکم کی صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے کہ جس نے رات پیٹ بھر کر گزاری اور اس کا پڑوسی بھوکا سویا

رہااور اسے یہ معلوم بھی تھا۔ کیا یہ پڑوسی کا محض اخلاقی حق ہے کہ وہ بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلایا جائے؟ اگر اخلاقی حق ہی تھا تو پھر ایمان کی نفی کرنے کا کیا معنی؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پڑوسی کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں لیکن اس کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں، اسی طرح مہمان کے اخلاقی حقوق ہیں لیکن ان کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں، اسی طرح ملاقاتی کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں لیکن اس کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں، اسی طرح سسرال، چاہے وہ مرد کا ہو یا عورت کا، کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں لیکن ان کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں۔

اور اخلاقی حق بعض صورتوں میں قانونی حق بن جاتا ہے، فرض کفایہ کا تصور یہی ہے۔ اپنے محلے دار کا جنازہ پڑھنا اس کا اخلاقی حق ہے، لیکن اگر محلے میں کوئی نہیں پڑھ رہا تو اب آپ کے لیے پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر ساس سسر کی خدمت کے لیے ان کی اولاد نہیں ہے یا اگر اولاد تو ہے لیکن نہیں کر رہی، تو یہ ذمہ داری دیگر قریبی رشتہ داروں کی طرف منتقل ہو گی، یہ حکم صرف عورتوں کے لیے نہیں، مردوں کے لیے بھی ہے۔ اگر کسی مرد کے ساس سسر کی خدمت ان کی اولاد نہیں کر رہی، یا ان کی اولاد ہے ہی نہیں تو یہ مرد کے ذمہ واجب ہو گا کہ وہ ان کی خدمت کرے۔

تو یہاں ہم نے تین باتیں کی ہیں، ایک یہ کہ سسرال، مرد کا ہو یا عورت کا، ان کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں اور کچھ قانونی جیسا کہ پڑوسی، مہمان، ملاقاتی، دوست، ساتھی، رشتہ دار، پارٹنر وغیرہ کے کچھ قانونی حقوق ہیں اور کچھ اخلاقی ہیں۔ اور قانونی حقوق وہ ہوتے ہیں جو بنیادی ضرورت سے متعلق ہوں کہ بھوکے کو کھانا کھلانا اس کا اخلاقی حق ہے لیکن اگر وہ بھوکا آپ کے سامنے بھوک کی اذیت میں مبتلا ہو تو اب اس کا قانونی حق ہے کہ آپ اس پر خرچ کریں۔

اور دوسری یہ کہ اخلاقی حق بعض صورتوں میں قانونی حق بن جاتا ہے جبکہ وہ لوگ کہ جن پر اس فرد کے حوالے سے وہ قانونی حق عائد ہوتا ہے، وہ اسے ادا نہ کر رہے ہوں۔ اور تیسری اور آخری بات یہ کہ قرابت داروں میں سسرالی رشتہ دار بھی شامل ہیں اور قرآن مجید جب والدین اور رشتہ داروں سے احسان کا حکم دیتا ہے تو اس احسان سے مراد اردو والا احسان نہیں ہوتا بلکہ یہ مراد ہوتا ہے کہ ان کے حقوق کو حسن اور خوبصورتی سے ادا کرو، سر سے نہ اتارو۔ پس مطلقاً یہ بات کہنا کہ داماد یا بہو پر

ساس، سسر کا کوئی قانونی حق نہیں ہے، دین اسلام کی تعلیمات اور مقاصد سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ یہ بات درست ہے کہ حق، حق میں فرق ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت کا جیسا حق اولاد پر لازم ہوتا ہے، ویسا ہی داماد یا بہو پر عائد نہیں ہوتا ہے۔

دوسری شادی: خیال یا وسوسہ

دوست نے کہا کہ دوسری شادی کا خیال بہت آتا ہے۔ میں نے کہا کہ خیال نہ کہو وسوسہ کہو۔ اس نے کہا کہ کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ مطلب واضح ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے لہذا فرق رکھو۔ اس نے کہا کہ کیا دین میں دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے؟ میں نے کہا بالکل ہے۔ اس نے کہا کہ پھر کیسا وسوسہ؟

میں نے کہا کہ میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ دوسری شادی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں؛ جرات اور پیسہ۔ اور بدقسمتی سے ہمارے پاکستانی مرد میں یہ دونوں مفقود ہیں۔ نہ ہی وہ دلیر ہے اور اوپر سے کنگلا بھی ہے یا کنگلا نہیں ہے تو بخیل اور کنجوس ہے تو یہ کبھی دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ یہ صرف خواب میں اس کے مزے لے سکتا ہے۔ اور جاگتے میں دوسری شادی کے خواب دیکھنا تو یہ شیطان کا وسوسہ ہی ہوا۔

میں نے دوست سے پوچھا ویسے تمہیں دوسری شادی کا اتنا چاہ کیوں ہے؟ کہنے لگا کہ زیرو میٹر گاڑی کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا تمہیں پتہ ہے کہ زیرو میٹر گاڑی کو اسکریچ لگ جائے تو اس کی ٹینشن بھی اپنی ہی ہوتی ہے۔ کہنے لگا تو پھر کیا کریں زیرو میٹر کے خواب دیکھنا بند کر دیں۔ میں نے کہا اس کا حل یہ ہے کہ اپنی پرانی گاڑی کی ڈینٹنگ پینٹنگ کروائیں اور اسے زیرو میٹر جیسا بنوا لیں، پیسوں کی بچت اور دو دو گاڑیوں کے خرچے سے بھی بچت۔ واضح رہے کہ مسند احمد کی ایک روایت میں عورت کو بہترین متاع کہا گیا ہے۔

دوست نے کہا کہ آئیڈیا تو ویسے برا نہیں ہے لیکن پرانی بیوی کو نیا بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ طریقہ جاننے سے پہلے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ عورتیں ساری ایک جیسی ہوتی ہیں، عورتوں کی نفسیات پر پھر کسی دن تمہیں لیکچر دوں گا، انیس بیس کا فرق ہوتا ہے، لہذا دوسری جو

لے کر آؤ گے، وہ بھی ایسی ہی نکلے گی جیسا کہ پہلی بھگت رہے ہو، باقی استثناءات(exceptions) کی میں بات نہیں کرتا، وہ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔

ہمارے گھروں کا بنیادی جھگڑا یہی ہے کہ بیوی کا دل ہے کہ خاوند پہلے اسے خوش کرے، پھر وہ اسے خوش رکھے گی۔ اور خاوند کا دل ہوتا ہے کہ نہیں خوش رکھنے کا کام پہلے بیوی کو کرنا چاہیے اور اسی چکر میں حقوق وفرائض کی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ آپ کی بیوی کو آپ سے محبت، عزت اور دھیان چاہیے، یہی اس کی اصل خوشی ہے۔ آپ کی بیوی زیرو میٹر ہو جائے گی کہ نہ ہی وہ کوئی خرچہ کرائے گی اور نہ ہی تنگ کرے گی۔

کبھی عورتوں پر کیے جانے والے ایسے سروے کا مطالعہ کریں کہ جس میں ان سے ان کے پسندیدہ خاوند کی صفات پوچھی گئی ہوں تو اکثر کا ان تین پر اتفاق ہو گا کہ لونگ (loving) یعنی محبت کا اظہار کرنے والا ہو، آنر یعنی عزت دیتا ہو اور کیئرنگ (caring) یعنی خیال رکھنے والا ہو۔ بس بیوی سے محبت کو دل میں بسا کر نہ رکھیں، زبان پر رکھیں یعنی اس کا اظہار کرتے رہیں بلکہ محبت نہیں بھی ہے تو بھی اظہار کرتے رہیں، ان شاءاللہ! پیدا ہو جائے گی۔

بیوی کو، خاص طور اس کے گھر والوں کو عزت دیں بلکہ پروٹوکول دیں۔ بیوی کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولنے میں عار محسوس نہ کریں اور اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں خود سے پورا کریں، جو کہ وہ خود بھی پوری کر سکتی ہو، وہ بھی! اگر وہ میکے اکیلے جا سکتی ہے تو اسے اکیلے نہ جانے دیں بلکہ خود چھوڑ کر آئیں۔ مشکل کام ہے کیا؟ تو دس سالہ پرانی گاڑی کو زیرو میٹر بنانا آسان کام ہے کیا؟

محبت اور شادی

دوست کا سوال ہے کہ ساتھ جاب کرنے والی خاتون اگر نقاب کرتی ہوں تو ان میں زیادہ توجہ محسوس ہوتی ہے، اسے دور کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ جواب: نقاب والی خواتین کے ساتھ اگر انٹرایکشن بڑھ جائے تو ان میں توجہ زیادہ محسوس ہوتی ہے، یہ بات درست ہے اور اس کی وجوہات نفسیاتی ہیں لیکن عین ممکن ہے کہ نقاب اترے اور ایک ہی لمحے میں ساری توجہ ختم ہو جائے۔

تو اس اٹریکشن کی وجہ یہی ہے کہ تخیل یعنی امیجی نیشن، رئیلیٹی سے ہمیشہ بڑا ہوتا ہے مثلاً آپ

ایک خوبصورت جگہ کی سیر کرنا چاہتے ہیں، اس جگہ کی خوبصورتی جو آپ کے تخیل میں آسکتی ہے، وہ اس سے زیادہ ہوتی ہے جو وہاں ریئل میں آپ کو محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہر کسی کا مسئلہ نہیں ہو سکتا، ان کا ہو سکتا ہے کہ جن کا تخیل بڑا ہو جیسا کہ شاعر اور مفکر ٹائپ لوگ ہوتے ہیں۔

اس کا حل کیا ہے؟ اگر تو یہ عمومی مسئلہ نہیں ہے کہ کسی ایک آدھ خاتون میں کسی وجہ سے مثلاً انٹرایکشن ہونے کی صورت میں ایٹریکشن محسوس ہو رہی ہے اور وہ وقت کے ساتھ بڑھ بھی رہی ہے تو ایک سائیکالوجسٹ کے طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس کی طرف ایٹریکشن محسوس ہو رہی ہے، اس کی تصویر کبھی نقاب کے بغیر دیکھ لیں، اب یہ ایٹریکشن امیجی نیشن سے رئیلٹی میں داخل ہو جائے گی۔ تو یا تو ختم ہو جائے گی یا پھر لازماً کم ہو جائے گی۔

لیکن ایک مذہبی اسکالر کے طور پر یہ تجویز کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے لہذا زیادہ بہتر یہی ہے کہ کسی اچھے سے عالم دین سے رائے لے لیں۔ البتہ اس کا ایک اور حل ہے لیکن وہ اس صورت ممکن ہے جبکہ وہ عورت آپ کی طرف ایٹریکشن محسوس نہ کر رہی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ آپ کو جھڑک دے اور وہ بھی بری طرح سے۔ اس سے بھی امیجی نیشن کا بخار اتر جاتا ہے۔ واضح رہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم بطور سائیکالوجسٹ یہ بات کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت میں اس کا حل نہیں ہے جو ہمیں سائیکالوجی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ شریعت میں اس کا حل ضرور موجود ہے لیکن میرا علم اتنا نہیں ہے لہذا شریعت کے کسی بڑے عالم کی طرف رجوع کر لیں۔ البتہ میرے پاس اس وقت کچھ ماڈرن سائنسز کا علم بھی ہے کہ جس سے آپ کے مسئلے کا فوری حل نکالا جا سکتا ہے تو سو وہ حل میں اپنے اس علم کی روشنی میں تجویز کر رہا ہوں۔

دوست کا سوال یہ بھی ہے کہ اگر بیوی سے چار بچے ہو جائیں تو وہ شوہر کے قابل نہیں رہتی تو ایسی صورت حال میں دوسری شادی کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ جواب: دیکھیں، دوسری شادی کے حوالہ سے دو باتیں ہیں؛ ایک یہ کہ آپ پہلی سے تنگ ہیں، یا خوش نہیں ہیں، اس لیے دوسری کرنا چاہتے ہیں یعنی ایک سے بھاگ کر دوسری میں سکون تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایسی صورت حال میں تو میں دوسری شادی کا مشورہ نہیں دیتا کیونکہ ایسا مرد عدل نہیں کر سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کو عورتیں اچھی لگتی ہیں یعنی آپ کو عورت سے محبت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میرے دل میں عورتوں کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ تو اگر تو آپ پہلی کے قدر دان ہیں کہ اس نے اپنی صحت کی قیمت پر آپ کے لیے اولاد پیدا کی وغیرہ وغیرہ اور آپ پہلی کو چھوڑ نہیں سکتے اور دوسری لازماً کرنا چاہتے ہیں تو اس صورت میں یہی تجویز کرتا ہوں کہ شام ہونے سے پہلے اگر دوسری شادی کر سکتے ہو تو کر لو۔

باقی یہ دنیا دار آزمائش ہے، آزمائش ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ جنہوں نے دو کی ہیں، ان کی بیویوں سے جا کر پوچھو کہ کیا صورت حال ہے؟ کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جنہوں نے ایک کی ہے، ان کی بیویاں ان سے کون سا راضی اور مطمئن ہیں؟ تو اصل چیز یہ ہے کہ آپ کے پاس احساس کرنے والا دل اور محبت رکھنے والا مزاج ہے یا نہیں۔ اور یہ کسی کسی کے پاس ہوتا ہے، یہ بات درست ہے۔ اگر ہے تو دوسری شادی میں دیر نہ لگائیں اور اگر نہیں ہے تو ایک دوسری عورت کی زندگی بھی خراب نہ کریں۔ رہی یہ بات کہ اسلام میں مردوں کا ایک سے زائد شادی کی اجازت کیوں ہے؟ تو اس کے کئی جوابات ممکن ہیں کہ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس دنیا میں مردوں کی تعداد عورتوں کی تعداد سے چھ کروڑ سولہ لاکھ زائد ہے۔ اگر ایک مرد ایک عورت سے شادی کرے تو چھ کروڑ سولہ لاکھ کے قریب عورتیں کنواری رہ جائیں اور ان کے پاس دو صورتیں رہ جائیں؛ یا تو کسی مرد کی دوسری بیوی بن جائیں یا پھر بازار کی عورت بن کر زندگی گزار لیں۔ دنیا میں عورتوں کے زیادہ ہونے کی کئی ایک وجوہات ہیں کہ جن میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکی میں جسمانی طور پر حالات اور مصائب کو برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے بنسبت لڑکے کے لہذا بچیوں کی نسبت بچوں کی اموات زیادہ ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر چین میں عورتوں کی تعداد مردوں سے 33.5 ملین زیادہ ہے۔ پس اگر ایک مرد اور ایک عورت کی شادی ہو تو 33.5 ملین عورتیں شادی سے محروم رہ جائیں گی۔ اور دوسرا یہ کہ جنگ وجدال کی وجہ سے بھی مردوں میں اموات کی شرح کافی بڑھ جاتی ہے لہذا نتیجہ کے طور پر من جملہ عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

شادی کے مسئلہ میں لڑکی اور والدین کا اختلاف

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ایک ایسے لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہوں جو کہ عالم دین ہے اور دین کی دعوت کا کام بھی کر رہا ہے جبکہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے لیکن میں اس کے دین کی وجہ سے اس کی دوسری بیوی بننے کے لیئے تیار ہوں جبکہ میرے والدین اس رشتہ پر رضامند نہیں ہیں۔ وہ میری شادی کسی اور جگہ کرنا چاہتے ہیں اب ایک رشتہ آیا ہے لڑکا فرائض کا پابند ہے اور باقی لحاظ سے بھی ٹھیک ہے لیکن میرا دل انہی سکالر کی طرف مائل ہے۔ ان حالات میں دینی اعتبار سے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ شیخ صاحب آپ بہتر طریقہ سے رہنمائی فرمادیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں۔ جزاک اللہ و بارک اللہ۔

جواب: علماء کے ایک واٹس ایپ گروپ میں یہ سوال شیئر ہوا اور وہاں اس کو ریسپانس کرنے کے ساتھ افادہ عام کے لیے فیس بک پر بھی شیئر کر رہا ہوں۔ اصل سوال یہ ہے کہ لڑکی کی شادی کہاں ہونی چاہیے، اس میں لڑکی کا حق فائق ہے یا والد کا؟ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اس فیصلے میں دونوں کا حق شامل ہے اور بہترین صورت یہی ہے کہ دونوں کا اتفاق ہو جائے۔ لیکن اگر اختلاف کسی صورت رفع نہ ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں لڑکی کے حق کو ترجیح دی جائے گی اور اس کی شادی وہیں ہو گی جہاں وہ کرنا چاہتی ہے لیکن والد یا خاندان کے کسی اور بڑے کے واسطے سے ہی ہو گی۔

سنن ابو داود کی ایک روایت کے مطابق ایک لڑکی آپ ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئی کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا ہے اور وہاں کیا ہے کہ جہاں اسے پسند نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا کہ تمہیں اختیار ہے کہ نکاح باقی رکھو یا فسخ کر دو۔ تو زندگی چونکہ لڑکی نے گزارنی ہے اور اب بھلے والدین کو نظر آ رہا ہو کہ یہ اپنی کم عمری کی وجہ سے غلط فیصلہ کر رہی ہے اور جذبات میں حقیقت کو سمجھ نہیں پا رہی تو بھی والدین کو اس کے فیصلے کو قبول کرنا چاہیے البتہ اپنے طور اسے حقیقت کا دوسرا رخ دکھاتے رہیں کہ شاید اس کے پلے کوئی بات پڑ جائے۔

یہ تو اس مسئلے میں قانونی ہدایت ہے لیکن اخلاقی ہدایت یہی ہے کہ والد اگر نیک اور سمجھدار ہیں تو لڑکی کو اپنی پسند پر اپنے والد کی پسند کو ترجیح دینی چاہیے کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ والد کی رضا در

اصل رب کی رضا ہے۔ کوئی بھی والد اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتا۔ اس کیس میں بھی والد کی اپروچ حقیقی ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹی کو آدھا خاوند ملے۔ لڑکی کو بھی یہ سوچنا چاہیے کہ یہ پوری زندگی کا مسئلہ ہے اور وہ کسی ایسے شخص کے عقد نکاح میں جا رہی ہے کہ جو پہلے سے شادی شدہ ہے تو اسے اس کا آدھا وقت ملے گا، آدھا مال ملے گا، پھر وہ صرف شوہر کو قبول نہیں کر رہی بلکہ سوکن کو بھی ساتھ قبول کرنا ہے اور اس کی اولاد کو بھی۔

بھائی قانونی ہدایت بالکل اور چیز ہے اور انسانی طبعیت، مزاج اور اخلاقی ہدایت تو یہ اور شے ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی پسند نہیں فرمایا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسری شادی کریں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سوکن لائیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسری شادی سے منع کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دین آزمائش میں آجائے گا۔ تو مرد کے لیے دوسری شادی جائز ہے لیکن اگر اس کی دوسری شادی سے اس کی پہلی بیوی کا دین یا ایمان جاتا ہے تو پھر اسے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

پس میری رائے میں آپ کے والد کی اپروچ حقیقی ہے اور آپ کی آئیڈیلسٹک ہے۔ پس اگر آپ مطلقہ یا خلع یافتہ یا بیوہ ہوتیں تو میں آپ کو یہی مشورہ دیتا کہ آپ ان عالم دین سے شادی پر ہی اصرار کریں کہ ایسی صورت میں آپ شوہر دیدہ ہیں اور آپ شادی شدہ لائف کے حقیقی مسائل کے تجربات کی عینی شاہد ہیں لہذا کسی جذباتی کیفیت میں نہیں ہیں اور پورے شعور سے یہ فیصلہ کر رہی ہیں۔ لیکن اگر آپ غیر شادی شدہ ہیں تو آپ کے بارے آپ کے ولی کا فیصلہ ہی بہتر ہے کہ وہ حقیقی زندگی کو جس قدر جانتا ہے، آپ اس سے واقف نہیں ہیں۔ اور میں بھی آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ اسی میں آپ کی دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی بھی۔ واللہ اعلم بالصواب

ستر وحجاب اور پردے کے احکامات میں غلو اور اس کے اثرات

بلاشبہ ستر وحجاب اور پردے کے احکامات دین اسلام میں ہیں لیکن بعض اوقات مذہبی طبقات میں یہ رویہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ وہ ان احکامات کو پورا کرنے میں حد درجہ غلو میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ وہی غلو فی الدین ہے کہ جس کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ غلو کرنے سے بچو کہ

تم سے پہلی قومیں دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ یہ روایت سنن النسائی میں ہے۔

اس بات کو چند مثالوں سے واضح کرتا ہوں کہ بعض مذہبی حلقوں میں خواتین کی آواز کا پردہ بھی ایک دینی حکم شمار ہوتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ قرآن مجید نے ازواج مطہرات تک کے بارے میں یہ کہا کہ جب ان سے تم نے کچھ مانگنا ہو تو حجاب کے پیچھے سے مانگ لیا کرو اور بعض ازواج مطہرات تو صحابہ کرام کو حدیث کی تعلیم بھی دیتی تھیں۔ البتہ اس میں قرآن مجید نے جو ہدایت جاری فرمائی، وہ یہ ہے کہ کوئی خاتون مردوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی آواز کو لوچ دار نہ بنائے یعنی لفظ بنا بنا کر اور سنوار سنوار کر گفتگو نہ کرے کہ جس سے مرد کے دل میں اس کے لیے کوئی رغبت پیدا ہو۔

اسی طرح بعض مذہبی حلقوں میں خواتین کے لیے ہاتھوں کے پردے کو بھی ایک دینی حکم سمجھا جاتا ہے اور عورتوں کے لیے دستانے پہننے لازم قرار دیے جاتے ہیں۔ ایک ایسی لڑکی جو کہ دین کی طرف نئی نئی آئی ہو تو اس کو تو اس قسم کی مبالغہ آمیز پریکٹسز شروع شروع میں تو بہت ایٹریکٹ کرتی ہیں کہ جیسے انسان اپنے آپ کو سب سے الگ تھلگ دین کو صحیح معنی میں پریکٹس کرنے والا دیکھ رہا ہوتا ہے اور یہی امیجی نیشن اس کے مزید مبالغہ کی بنیاد بن جاتی ہے لیکن جلد ہی یہ پریکٹس اکتاہٹ اور بیزاری کے موڈ میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ پردے کے جمیع احکامات ہی سے بیزاری کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔

ابھی زینب کیس کے تناظر میں سوشل میڈیا پر ایک آرٹیکل گردش کرتا نظر آیا کہ جس میں حضرت العلام نے یہ ہدایات بھی جاری فرمائی ہیں کہ ماں کو اپنے جوان بیٹے کے ساتھ تنہا گھر میں نہیں رہنا چاہیے اور باپ کو اپنی جوان بیٹی کے ساتھ مبادا کہ کہ شیطان کسی غلط رستے کی طرف نہ لے جائے۔ یہی وہی لوگ ہیں کہ جن کے بارے رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ "متنطعون" یعنی دین میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو جائیں، برباد ہو جائیں۔ مطلب اگر بیٹی گھر میں اکیلی ہے تو باپ کو چاہیے کہ باہر تھڑے پر بیٹھ جائے اور اگر گھر میں ماں اکیلی ہے تو بیٹا گھر سے نکل جایا کرے تاکہ فساد پیدا نہ ہو۔

ایسے ہی مضحکہ خیز فتووں نے دین اسلام کو دین فطرت نہیں رہنے دیا کہ وہ ہر شخص کی دل کی

آواز بن سکے بلکہ اسے ایک تماشا بنا دیا ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں حرج نہیں ہے کہ جنس دو قسم کے لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہے؛ ایک لبرل جو مادر پدر آزادی چاہتے ہیں اور دوسرا یہ مذہبی طبقہ کہ جسے ماں اور بیٹے، اور باپ اور بیٹی کے اکھٹے بیٹھنے میں جنس نظر آتی ہے اور اس دوسرے طبقے پر بلکہ زیادہ سوار ہے۔ اور میری رائے میں واقعتاً ایسے مذہبی لوگوں کی سائیکالوجیکل ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ اگر کسی خاتون نے خواتین کی اصلاح کے لیے نقاب میں کچھ ویڈیوز بنا کر شیئر کر دی ہیں اور اب وہ مردوں کے کسی حلقے میں بھی پہنچ گئی ہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

اگر تمہیں اس نقاب والی خاتون کو دیکھنے سے ایٹریکشن محسوس ہوتی ہے تو تم دیکھنا بند کر دو، ویڈیو ڈیلیٹ کر دو۔ کیا عورت کے لیے نقاب میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے کیا؟ اور کیا جب جب تم مارکیٹ، آفس اور اجتماع وغیرہ میں عورتوں کو نقاب میں دیکھتے ہو یا بولتے دیکھتے ہو، اس اس وقت تمہیں ایٹریکشن محسوس ہوتی ہے؟ تو بھئی تمہیں اپنے دل کے علاج کی ضرورت ہے۔ اس کے اینڈ پر پردہ مکمل ہے، تمہارے اینڈ پر نہیں ہے اور یہ پردہ تمہیں ہی کرنا ہوگا، اس پر مزید بوجھ لادنے کے گناہ میں ملوث نہ ہو۔ ہمارے ہاں مرد اپنے حصے کا پردہ نہیں کرتے کہ جس پردے کا انہیں قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں اور انہیں آوارہ نہ چھوڑیں اور سارا زور عورت کو چھپانے پر ہے بلکہ اگر ان کے بس میں ہو کہ عورت نظر ہی نہ آئے تو شاید وہ یہ بھی کر گزریں کہ سارے فتنے کی جڑ تو اس کا وجود ہے، سو وہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔

باقی میں عورتوں کے لیے چہرے کے پردے کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن کبھی اس پر بھی تو غور کریں ناں کہ کی آپ نے لو میرج ہے اور شادی کے وقت آپ دونوں دنیادار تھے۔ اب آپ اللہ کی توفیق سے اور کسی کی محنت سے دین کی طرف آ گئے اور وہ بھی برسوں میں آئے اور اب دنیادار بیوی کو ایک دن میں برقعے میں چھپانا چاہتے ہیں تو یہ حکمت کے منافی ہے۔ اور نہ ہی یہ کوئی دینداری ہے کہ بیوی اگر نقاب نہیں کرتی تو اس کو طلاق ہی دے دو۔ بس حکمت کے ساتھ اس سے مکالمہ کرو، اس سے اپنا حسن سلوک بہتر کرو۔ اگر تمہاری بیوی یہ محسوس کرنے لگ جائے گی کہ دین کی طرف آنے کی وجہ سے تمہارے رویے اور اخلاق اس کے حق میں بہتر ہو گئے ہیں تو وہ خود اس دین کی طرف

لپکے گی اور اس کو پریکٹس کرنے میں خوشی محسوس کرے گی۔ لیکن دین کی طرف آنے کے بعد تم اس کے حق میں پہلے سے زیادہ کٹھور دل اور سخت ہو گئے ہو تو وہ کیسے اس دین کو اختیار کرنے میں قائل ہو کہ جس کا نتیجہ وہ تمہاری صورت میں اپنے سامنے دیکھ رہی ہو۔

اور عموماً ایسی بیویوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ان کے شوہر ان کے پردے پر تو بہت زور دیتے ہیں اور اسی کو کل دین سمجھتے ہیں لیکن خود اپنی کزنز اور کولیگز سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں، نامحرم عورتوں کے چٹ چیٹ ہے، غیر محرم رشتہ دار خواتین کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے تو ایسے رویے کے ساتھ آپ کے پردے کے احکامات نہ صرف دین کے ساتھ ایک مذاق اور جوک ہے بلکہ عورت پر ظلم بھی ہے۔ بیوی پر پردے کے معاملے میں وہی مرد سختی کرنے کا اہل ہو سکتا ہے کہ جس کے پردے کی گواہی اس کی بیوی دیتی ہو کہ یہ غیر محرم عورتوں سے بات چیت میں محتاط ہیں اور حتی الامکان اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ جو پردہ جو ہمارے ہاں رائج ہے تو یہ دینی پردہ نہیں ہے بلکہ روایتی پردہ ہے یعنی کلچر کا حصہ ہے۔ دینی پردہ یہ ہے کہ مرد پہلے خود پردہ کرے اور پھر بیوی سے پردہ کروائے۔ اور روایتی پردہ یہ ہے کہ مرد خود پردہ نہ کرے اور بیوی سے پردہ کروانے کے لیے ہر وقت لٹھ ہاتھ میں اٹھائے رکھے۔

ایک دوست نے کہا کہ کیا کوئی عورت اپنے ہاتھوں کو سجا کر بازار میں نکل سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ عورتیں اپنے ہاتھوں کو سجا کر بازار میں نکل جائیں بلکہ یہ کہا کہ عورتوں کو ہاتھ چھپانے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے کہ یہ پردے میں غلو ہے۔ اسی غلو کے ثمرات ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک لڑکی مکمل نقاب اور برقعے میں یونیورسٹی میں داخل ہوتی ہے اور جیسے ہی گیٹ سے اندر ہوتی ہے، اس کا نقاب اور برقعہ اس کے بیگ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ تو انتہا پسندی سے رد عمل جنم لیتا ہے جو دین سے اور دور لے جاتا ہے۔ باقی اگر کوئی عورت اپنے ہاتھ بھی چھپانا چاہے تو ہم کیا اس کو منع کریں گے؟ بھئی، نہیں منع کریں گے کہ یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔

ہمارا کہنا صرف اتنا ہے کہ عورت کو ایک تو لبرلز نے ذہن پر سوار کر لیا ہے اور دوسرا انتہا پسند مذہبی نے۔ لبرل اس کو کپڑوں ہی سے باہر لانا چاہتے ہیں اور غالی مذہبی یہ چاہتے ہیں کہ برقعے میں

اس کی آنکھ بھی نظر نہ آئے بلکہ اب تو بعضے ایسے بھی ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ عورت ہی نظر نہ آئے کہ اس پر نظر پڑنے سے اس کی طرف ذہن جاتا ہے۔ تو بھئ آسان سا حل ہے کہ ایک گڑھا کھودو اور اس میں اسے دفن کر دو، نہ وہ رہے گی اور نہ تمہارا ذہن برائی کی طرف متوجہ ہو گا۔ تو اب بات سمجھ میں آئی ہے! یہ بات اس مرد کو سمجھ نہیں آئے گی جو خود پردہ نہ کرتا ہو بلکہ اگر آپ کو اس تحریر سے اتفاق نہیں ہے تو اپنا پردہ ٹھیک کریں، آپ کو اتفاق ہو جائے گا۔

یقین مانیے، ایک بڑے مذہبی طبقے کو اپنا پردہ ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی نظر اور خیال دونوں میں خیانت ہے۔ چلو بھائی مجھے اگر آپ ماڈرنسٹ سمجھتے ہو تو ذرا اپنے فقہاء کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لو اور اس میں "ستر المراۃ امام المحارم" کا عنوان دیکھ لو تو میں تمہیں اپنے فقہاء کے سامنے روایت پسند معلوم ہوں گا۔ اگرچہ مجھے تمہارے فقہاء کے بیان کردہ اس پردے سے اتفاق نہیں ہے کہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پردہ دین میں ثابت ہے لیکن جو تم ثابت کرنا چاہ رہے ہو تو یہ پردہ دین میں بالکل بھی نہیں ہے۔

شادی کی مناسب عمر کیا ہے؟

دوست کا سوال یہ ہے کہ شادی کی مناسب عمر کیا ہے اور وہ عمر کون سی ہے کہ جس کے بعد ہم یہ کہہ سکیں کہ اس عمر میں شادی کرنے والے شادی میں تاخیر کر رہے ہیں؟ شادی میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے، یہ بات درست ہے لیکن تاخیر خود بھی تو ایک اضافی اور ریلیٹو اصطلاح ہے کہ ہر کسی کا تاخیر کا اپنا ہی ایک تصور ہوتا ہے کہ دوسرے سے میچ نہیں کر رہا ہوتا ہے۔

جواب: دین اسلام میں بلوغت کے بعد جلد ہی شادی کر لینے کو پسند کیا گیا ہے اگرچہ اس کے لیے کوئی عمر مختص نہیں کی گئی ہے۔ دینی تعلیمات اور معاشرتی رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ شادی کی بہترین عمر سترہ اور اکیس ہے یعنی لڑکی کے لیے سترہ سال اور لڑکے کے لیے اکیس سال۔ یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو لڑکی کی اکیس اور لڑکے کی تیئیس تک بھی ٹھیک ہے۔ اور لڑکی کی تیئیس اور لڑکے کی پچیس تو تاخیر میں شامل ہے اور اس کے بعد تو بہت زیادہ تاخیر ہے۔

شادی میں لڑکے کی عمر لڑکی کی نسبتاً زیادہ ہونی چاہیے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکوں میں

میچورٹی ذرا دیر سے آتی ہے اور ان پر گھر کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے لہذا اکیس سے پہلے لڑکے کی شادی شرعا تو جائز ہے لیکن لڑکا چونکہ عام طور میچور نہیں ہوتا لہذا گھر کا نظام چلانے اور بیوی سے ڈیلنگ میں دشواری ہو گی۔ لیکن اگر فیملی سسٹم ہے اور ابا جان ساری مالی ذمہ داریاں اٹھا رہے ہیں اور اولاد کو ازدواجی زندگی میں گائیڈ کرنے کے لیے بھی موجود ہیں تو پھر تو سترہ سال کے لڑکے کی شادی کر دینے میں بھی حرج نہیں ہے۔

بہترین عمر یعنی سترہ اور اکیس میں شادی آپ کی پروڈکٹوٹی بہت زیادہ بڑھا دیتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی پروڈکٹوٹی میں بڑی رکاوٹ اس کا یکسو نہ ہونا ہوتا ہے اور شادی انسان کو بہت حد تک یکسوئی عطا کرتی ہے۔اور اس یکسوئی کے نتیجے میں انسان بہت سے ایسے کام کر سکتا ہے کہ جنہیں انتشار ذہنی کے ساتھ کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ پس جب پریشان شادی سے پہلے بھی رہنا ہے اور شادی کے بعد بھی تو بہترین عمر میں شادی کر کے اپنے ان مسائل کو جلد سلجھا لیں کہ جنہیں آپ نے شادی کے بعد فیس کرنا ہی کرنا ہے، چاہے عمر کے کسی حصے میں بھی شادی ہوں۔

شادی میں تاخیر کے بڑے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مزید تاخیر ہوتی ہی رہتی ہے یہاں تک کہ انسان کی شادی کی عمر نکل جائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے تو میچورِٹی اور سوشل اسٹیٹس مثلا تعلیم، روزگار اور آمدن میں اضافے کی وجہ سے آپ کی ڈیمانڈ بھی تصوراتی بن جاتی ہے یعنی آپ ایسے لڑکے اور لڑکی کی تلاش میں ہوتے ہیں جو آڈر پر کسی فیکٹری میں بنوائی تو جا سکتی ہے لیکن حقیقی معاشرے میں اس کا ملنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر شادی نہ ہونے کی وجہ سے بڑی عمر میں نفسیاتی مسائل کا بڑھ جانا بھی ایک بڑا نقصان ہے اور خاص طور لڑکیوں کے نفسیاتی مسائل بہت حد تک دب جاتے ہیں اگر ان کی شادی بہترین عمر میں کر دی جائے۔

کنواروں اور کنواریوں کی خدمت میں

غیر شادی شدہ بچوں اور بچیوں کی باتیں سنو تو یقین مانیں خوف آتا ہے کہ کس تخیلاتی دنیا میں رہتے ہیں اور اس تخیل کی دنیا کے پیدا کرنے میں سارا کردار میڈیا یعنی فلم انڈسٹری کا ہے۔ لڑکا ہے تو اس کا خیال یہ ہے کہ شادی کے بعد بس ایک خادمہ ہاتھ آ جائے گی کہ جو صبح سے شام تک اس کے

سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہے گی، مزے مزے کے کھانے کھانے کو ملیں گے، خوب عیاشی ہو گی وغیرہ وغیرہ۔

اور لڑکی ہے تو وہ یہ خواب دیکھ رہی ہے کہ شادی کے بعد ایک ایسا خزانچی ہاتھ آ جائے گا جو صبح سے شام اس کی خواہشات کی تکمیل کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کو اپنے لیے فخر جانے گا۔ شوہر کی صورت میں ایک اے۔ ٹی۔ ایم (ATM) کارڈ مل جائے گا اور ڈھیر شاپنگ ہو گی، دل کھول کر، وغیرہ

اللہ کے بندو! اس تخیل (fantasy) سے نکلو۔ شادی ایک ذمہ داری کا بندھن ہے، مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی۔ اس ذمہ داری کو ادا کیے بغیر یہ ایک مہینہ بھی نہیں چل سکتا۔ شادی کی صورت میں عیاشی کا تصور صرف فلموں میں ہوتا ہے جبکہ حقیقی زندگی میں تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر کو ناشتہ خود سے بھی بنانا پڑتا ہے اور بیوی کو میک اپ کا سامان خریدنے کے لیے خود کے پیسے بھی لگانے پڑتے ہیں۔

شادی ایجاب وقبول کا نام ہے اور ایجاب عربی زبان کا لفظ ہے کہ جس کا معنی واجب کرنا ہے۔ ہمارے ہاں مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قبول کا معنی ہے کہ ہم نے لڑکی قبولی ہے۔ بلکہ قبول وہ کیا ہے کہ جس کا ایجاب ہوا ہے یعنی جو تم پر واجب کیا گیا ہے۔ اور واجب کیا گیا ہے؟ وہ لڑکی کی ذمہ داری ہے۔ لڑکی کا والد یا سرپرست یہ کہتا ہے کہ یہ لڑکی اب تک میری ذمہ داری میں تھی یعنی اس کا نان نفقہ، اس کی حفاظت وغیرہ۔ اب میں اس لڑکی کی ذمہ داری تم پر واجب کرتا ہوں، کیا تمہیں یہ ذمہ داری قبول ہے؟ تو وہ اسے قبول کر لیتا ہے۔

اب ذمہ داری کا ذکر تو نہ نکاح کروانے والے مولوی صاحب کے علم میں ہے اور نہ ہی دولہا کی معلومات میں اور قبول قبول کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ اور جب ذمہ داری کندھوں پر آن پڑھتی ہے تو پھر پوچھتے ہیں کہ اسے شادی کہتے ہیں؟ اس سے تو کنوارے ہی بھلے تھے۔ تم نے صرف بیوی نہیں قبولی، اس کا خاندان بھی قبولا ہے لہذا ان کی خدمت کرو۔ اور لڑکی نے بھی صرف لڑکا نہیں قبولا، اس کا خاندان بھی قبولا ہے لہذا ان کے کام آؤ۔ نہیں مانتے تو نہ مانو، سسرالی خود ہی منوا لیں گے۔

شادی کس سے کریں؟

اکثر دوست مشورہ لیتے ہیں کہ ان کا کہیں رشتہ چل رہا ہے اور یہ یہ مسائل ہیں تو کیا انھیں شادی کر لینی چاہیے یا نہیں؟ تو میں نے سوچا اس بارے بھی ایک عمومی پوسٹ لگا دوں۔ اکثر لڑکوں کا سوال ہوتا ہے کہ انھیں لڑکی پسند نہیں آئی تو کیا انھیں شادی کر لینی چاہیے، اسی طرح لڑکیوں کا بھی یہ مسئلہ ہو سکتا ہے کہ انھیں لڑکا پسند نہ آیا ہو۔

دیکھیں، دنیا میں شادی کرتے وقت عموماً چھ چیزوں کو دیکھا جاتا ہے؛ دین، خاندان، شکل وصورت، مال ودولت، ملازمت اور تعلیم۔ لوگوں کی اپنی اپنی ترجیحات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سب چیزیں آپ کو ایک ساتھ نہیں ملتی، کہیں نہ کہیں آپ کو کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں زیادہ تر یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے کی ملازمت اچھی ہو اور لڑکی کی شکل وصورت۔ ملازمت اچھی ہو تو لڑکی والے خاندان بلکہ شکل وصورت پر بھی کمپرومائز کر لیتے ہیں۔ اور کسی حد تک بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ گھر کا خرچہ چلانا مرد کی ذمہ داری ہے لہذا اگر وہ اسی کا اہل نہیں ہوگا تو گھر کیسے چلے گا؟

اور پسند دو قسم کی ہوتی ہے؛ ایک آئیڈیل، جو کبھی نہیں ملتی، صرف ذہن میں ہوتی ہے، اس کے چکر سے نکل جانا چاہیے۔ آپ کو زندگی میں آئیڈیل ضرور مل جائے گا لیکن آپ اس کے آئیڈیل نہیں ہوں گے۔ دوسری یہ کہ لڑکا یا لڑکی بس اچھی ہو، چاہے اتنی نہ ہو کہ جتنا آپ کے ذہن میں ہے، اسی پسند کی کوشش کرنی چاہیے۔ البتہ تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی شکل وصورت ایسی ہے کہ جو انسان کو بری لگے، تو ایسی صورت میں شادی نہ کریں۔ اچھا نہ لگنا اور برا لگنا یہ دو علیحدہ باتیں ہیں، ذرہ سے لفظ کے اختلاف سے معنی بدل جاتا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ لسانیات اور نفسیات کا بہت گہرا تعلق ہے۔

تو یہاں دو باتیں ہوئیں؛ اگر تو لڑکا یا لڑکی وہ بری لگی تو شادی نہ کریں اور اگر اچھا یا اچھی نہیں لگی تو ایسی صورت میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو اچھے نہیں لگتے لیکن ساتھ رہنے سے مانوسیت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ دوستوں میں ایک ساتھ رہنے سے مانوسیت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اس صورت میں استخارہ کر لیں، ایک دن، دو دن، سات دن کر لیں، پھر دل کا

میلان اور ذہن کا رجحان دیکھیں، جس طرف ہو وہ کام کر لیں۔ شادی میں مال کو اہمیت دینا تو بے کار سمجھتا ہوں لیکن خاندان کو ضرور اہمیت دینی چاہیے، خاندانی صفات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اولاد کے ڈی۔این۔اے (DNA) میں نصف انفار میشن باپ سے آتی ہے اور نصف ماں سے۔

دوسری وجہ کہ جس کو سب سے زیادہ شادی میں بنیاد بنایا جاتا ہے، دینداری ہے۔ دینداری میں زیادہ اہم میرے خیال میں عبادات یعنی پردہ اور داڑھی وغیرہ کی نسبت اخلاق یعنی رویے ہیں۔ بس اگر اخلاق اچھے ہوں تو رشتہ طے کرنے میں بالکل دیر نہ لگائیں۔ گھر کا سسٹم اخلاق سے چلتا ہے نہ کہ عبادات سے۔ عبادات، اللہ سے تعلق کی بنیاد ہے اور اخلاق بندوں سے تعلق ہے۔ گھر کا نظام چلانے کے لیے میاں بیوی کا آپس کا تعلق اچھا ہونا زیادہ ضروری ہے، باقی اللہ سے بھی تعلق بہت اچھا ہو تو یہ آئیڈیل ہے ورنہ فرض کی پابندی اور حرام سے اجتناب کی کم از کم کوشش تو ہو۔ اور احادیث میں جہاں رشتوں میں دینداری کو ترجیح دینے کا حکم ہے، وہاں بعض طرق (chains) میں بھی اخلاق کا ذکر ہے۔

دیندار لڑکے سے شادی کا شوق کرنے والی لڑکیوں کی خدمت میں

دو دن پہلے برادر مغیرہ لقمان نے ایک مختصر سی پوسٹ لگائی لیکن موضوع بہت اہم تھا لہذا میں ان کی مختصر پوسٹ کے بعد کچھ اپنا تبصرہ بھی شیئر کر رہا ہوں۔ مغیرہ لقمان کا کہنا تھا:

> "Sisters looking for a 'family guy' husband, my recommendation is not to marry a missionary or an active Da'ee. It's a sacrifice!"

اپنے دوستوں اور ارد گرد بہت دیکھنے میں آیا ہے کہ مذہبی ذہن رکھنے والی لڑکیاں، ایسے دیندار لڑکوں سے شادی کو پسند کرتی ہیں کہ جو دین کے لیے کچھ کر رہے ہوں یا کرنا چاہتے ہوں جو کہ خود سے اچھی بات ہے لیکن عموماً شادی کے بعد خود اس کی دینی ایکٹوٹی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ شادی سے پہلے دین کے بارے ان کے جذبات اس مجاہد کے سے ہوتے ہیں جو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر میدان جنگ کا نظارہ کر رہا ہو اور شادی کے بعد ان کی حالت میدان جنگ سے بھاگے ہوئے ایک سپاہی کی سی ہوتی ہے۔ براہ مہربانی غیر شادی خواتین اس پوسٹ پر کمنٹ نہ کریں کہ وہ

شادی سے پہلے اس مسئلے کو سمجھ ہی نہیں سکتیں۔

برادر مغیرہ کا مشورہ سو فی صد درست ہے، یہ مشورہ بھی ہے اور نصیحت بھی۔ دیکھیں، دنیا میں کوئی بھی بڑا کام قربانی اور ایثار کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور قربانی اور ایثار ہو سکتی ہے یا نہیں، اس کا پتہ تب چلتا ہے جبکہ قربانی بالفعل دینی پڑ جائے۔ اگر آپ نے کسی ایسے لڑکے سے شادی کرنی ہے کہ جسے مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار، ڈاکٹر ذاکر نائیک، مولانا طارق جمیل یا نعمان علی خان وغیرہ بننا ہو تو ایسی شخصیات عموماً غیر متوازن گھریلو زندگی کے بغیر نہیں بنتیں۔ اس قاعدے میں استثناء (exception) صرف رسول اللہ ﷺ کا ہے یا دوسرا اس شخص کا جو اس کا دعویٰ کرے اور اس کے اہل خانہ سب کے سب اس کے دعویٰ سے متفق ہوں۔

آپ مذہب کی بجائے دیگر علوم دیکھ لیں، آئن اسٹائن کو لے لیں۔ آئن اسٹائن کی پہلی بیوی خود ماہر فزکس تھی لیکن شادی اور بچوں کے بعد فزکس کے بارے اس کے جذبات ٹھنڈے پڑ چکے تھے اور یہ اس کے بچوں کی گواہی ہے۔ یہ شادی 1903ء میں ہوئی اور 1914ء میں دونوں کے مابین علیحدگی ہو گئی۔ جب آئن اسٹائن کی علمی حرکتوں کی وجہ سے ازدواجی تعلقات ٹوٹنے کے قریب پہنچے تو دونوں نے اپنے بچوں کی خاطر نباہ کا سوچا اور اس نباہ کے لیے جو معاہدہ ہوا، وہ بڑا عجیب تھا۔

ان شرائط میں سے جو آئن اسٹائن نے بیوی سے نباہ کے لیے متعین کیں، ایک شرط یہ بھی تھی کہ میری بیوی مجھ سے کسی قسم کے قربت کے تعلق کی توقع نہیں کرے گی اور اگر اسے قربت کا تعلق مجھ سے میسر نہ آئے تو اس پر تنقید بھی نہ کرے گی۔ میرے تین وقت کے کھانے، میرے کپڑوں کی دھلائی اور استری اور میرے کمرے اور میز کی صفائی کا دھیان کرے گی۔ اور جواب میں میری طرف سے اس کو یہ ملے گا کہ اگر میری تحقیق پر مجھے کچھ ریوارڈ ملا تو وہ میری بیوی کا ہو گا۔ اور پھر اسی معاہدے کے تحت 1921ء میں اپنے نوبل پرائز کی رقم آئن اسٹائن نے اپنی بیوی کو بھجوا دی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خواہش رکھنا اور باتیں کرنا آسان ہے لیکن قربانی دینا بہت مشکل ہے۔ میں کئی ایک ایسے دوستوں کو جانتا ہوں کہ جن کی بیویوں نے دین کے نام پر ان سے شادیاں کیں لیکن شادی کے بعد ایسے پھر گئیں جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہوں اور ان کا یہ پھرنا بنتا بھی ہے کہ آدرش کی

محبت، یہ عورت کے سانچے سے باہر کی چیز ہے کہ دنیا کے تمام نامور فلسفی، سائنسدان، ادیب، حکمران وغیرہ سب مرد تھے۔ عورت کی عظمت یہی ہے کہ وہ اس مرد کو پیدا کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ صرف یہی کام اچھے طور کر سکتی ہے، اس سے بڑھ کر شاید اس کے مقدر میں نہیں ہے۔ عورت اور مرد کے بارے یہ بات نوعِ عورت (female) اور نوعِ مرد (male) کے اعتبار سے کی گئی ہے جبکہ ان دونوں انواع کے بعض افراد اس عمومی قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ (exception) ہو سکتے ہیں کہ کسی عورت میں آدرش کی محبت ہو اور کوئی مرد اس سے خالی ہو۔

کورٹ میرج کے بارے ایک غلط فہمی

جہاں تک میرے علم میں ہے تو کورٹ میرج ایک غلط اصطلاح ہے۔ کورٹ میں کوئی میرج نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ہمارے جج حضرات اتنے فارغ ہیں کہ شادیاں کرواتے پھریں۔ ہوتا اصل میں یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی جج کے سامنے حاضر ہو کر یہ بیان حلفی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی آزاد مرضی سے نکاح کر لیا ہوا ہے۔

پس کورٹ میرج میں وہ جج کے سامنے نکاح پڑھواتے نہیں ہیں۔ یہ نکاح وہ کسی امام مسجد سے، دوست کے گھر میں، تھانے میں، یا وکیل کے آفس میں کروا چکے ہوتے ہیں اور جج کو صرف اس کی رپورٹ کرتے ہیں۔ اور اس رپورٹ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے گھر والے لڑکے پر اغوا کا مقدمہ نہ درج کروا دیں۔

اب جو نکاح تھانے، وکیل کے آفس یا کسی دوست کے گھر میں ہوتا ہے، تو مختلف کیسز میں مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اکثر وکیل تو ماشاء اللہ سے امام مسجد اور گواہوں کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے البتہ نکاح کی رجسٹریشن کے لیے فارم وغیرہ مکمل کروا لیتے ہیں۔

اور اب بعض وکیلوں نے آن لائن نکاح کروانے کی سہولت بھی میسر کر رکھی ہے کہ جس کی باقاعدہ ویب سائیٹس بنی ہوئی ہیں کہ بس آپ وکیل کی فیس ادا کریں اور وکیل لڑکا اور لڑکی کے نکاح کے رجسٹریشن فارم مکمل کروا دے گا اور جج کے سامنے بیان حلفی دلوا دے گا اور یہی کورٹ میرج ہے بس۔ اور گواہان میں لڑکے کے دوستوں یا وکیل کے منشیوں کے نام ڈال دیے جاتے ہیں۔

یہ نقطہ بھی واضح کرتا چلوں کہ نکاح میں ایجاب وقبول کسے کہتے ہیں۔ ایجاب کا معنی واجب کرنا ہے اور قبول کا معنی قبول کرنا ہے۔ اب لوگ عام طور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم لڑکی قبول کرتے ہیں، اہم سوال یہ ہے کہ قبول کیا کرتے ہیں؟ لڑکا وہ قبول کرتا ہے، جو واجب کیا جاتا ہے۔ اور واجب جو کیا جاتا ہے، وہ لڑکی کی ذمہ داری اور نان نفقہ ہے۔

اور لڑکی کی ذمہ داری اور نان نفقہ ولی کی ذمہ داری ہے نہ کہ خود لڑکی کی۔ ولی ایجاب کرتے وقت یہ ذمہ داری لڑکے پر ڈالتا ہے اور لڑکا قبول کرتا ہے۔ اسلامی معاشرت میں لڑکی ساری زندگی مرد کی کفالت میں ہوتی ہے۔ شادی سے پہلے باپ اور شادی کے بعد شوہر کی کفالت میں۔ تو ایجاب وقبول کے ذریعے یہ کفالت منتقل ہو رہی ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو بیٹیوں کے حقوق کے بارے حدیثیں سنا سنا کر باپوں کا بیٹیوں سے اتنا تعلق پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ اپنا سب کچھ ان کے لیے قربان کر دیتے ہیں اور جب بیٹی گھر سے بھاگ جاتی ہے تو ہمیں اس کے حقوق یاد آ جاتے ہیں۔ بھئی، اگر آپ لوگوں نے اسے گھر سے بھاگنے کا حق دینا ہی ہے تو باپ کو اس کے حقوق سنا سنا کر اس کی محبت میں پاگل مت بنائیں۔ اور باپوں کو تعلیم دیں کہ بیٹیوں سے ضرورت کی محبت رکھیں یعنی اتنی ہی جتنی کہ چرند پرند رکھتے ہیں تا کہ بعد میں نفسیاتی مریض نہ بن جائیں۔

میڈم، مجھے لڑکے پسند ہیں!

"میڈم! مجھے لڑکے پسند ہیں" کے عنوان سے محترمہ فرح احمد صاحبہ کا ایک کالم "ہم سب" ویب سائیٹ پر نظر سے گزرا۔ اس کالم میں میڈیم فرح احمد نے اپنی ایک اسٹوڈنٹ لڑکی کا کیس ڈسکس کیا ہے کہ جسے لڑکے اچھے لگتے تھے، وہ ان کے ساتھ دوستی کرنا چاہتی تھی، اسے آزادی چاہیے تھی لیکن معاشرتی اور خاندانی روایات اس کی اس خواہش میں آڑے آتی تھیں کہ لڑکی کو ڈر تھا کہ اگر اس کے ابا کو پتہ چل گیا تو اسے جان سے مار دیں گے۔ میڈم فرح احمد نے اس مسئلے کی وجہ "جنریشن گیپ" کو قرار دیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ اسی جنریشن گیپ کی وجہ سے والدین اپنی بچیوں کی ان جائز خواہشات کا لحاظ نہیں رکھ پاتے۔

ہمیں یہاں محترمہ فرح احمد صاحبہ کی اس بات سے تو اتفاق ہے کہ صورت واقعہ ایسی ہی ہے کہ یونیورسٹی میں لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد، خاص طور وہ جو کہ چھوٹے شہروں یا دیہات سے بڑے شہر میں آتی ہیں، کی ایسی ہی خواہشات ہیں۔ ایسے میں خواہ مخواہ کی ضد میں یہ کہنا کہ واقعتاً میں ایسا تو نہیں ہو رہا اور محترمہ کسی خیالاتی یا تصوراتی لڑکی کی بات کر رہی ہیں، درست نہیں ہو گا۔ پس ہمیں اس مسئلے کے مسئلہ ہونے میں تو میڈم سے اتفاق ہے لیکن اِس مسئلے کے اُس تجزیے سے اتفاق نہیں ہے جو محترمہ فرح احمد نے کیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک لڑکی کی بات ہے، ہر لڑکی کی نہیں ہے۔ میں خود ایک یونیورسٹی میں پڑھاتا ہوں۔ میرے پاس ایک ماڈ سکاڈ (mod squad) لڑکی کاؤنسلنگ کے لیے آئی اور اس کا جملہ یہ تھا کہ "مجھے لڑکے کمینے اور زہر لگتے ہیں، میں انہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتی"۔ تو یہ ہر ایک کا پرسنل ایکسپوئیر ہے جو مختلف ہو سکتا ہے۔ اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ جو لڑکی کئی لڑکوں کو بھگتا چکی ہو تو اس کا جملہ یہ ہر گز نہیں ہو گا کہ "مجھے لڑکے اچھے لگتے ہیں" بلکہ اس کا جملہ یہی ہو گا کہ "مجھے لڑکے کمینے لگتے ہیں"۔ اسی لیے تو ایک فرانسیسی ادیبہ نے کہا تھا کہ مردوں کے جتنے قریب جائیں، کتے اتنے ہی اچھے لگتے ہیں۔

چلیں! اس بات کو دوسری طرح سمجھ لیں کہ اس لڑکی کی جب شادی ہو جائے گی، چاہے لو میرج ہی کیوں نہ ہو تو اسے اپنا خاوند کمینہ معلوم ہو گا۔ دوسرا اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ لڑکیوں کو لڑکے کیوں اچھے لگتے ہیں؟ اس کی ایک وجہ تو جنس مخالف میں رغبت اور اٹریکشن ہے اور یہ فطری ہے۔ لیکن زیادہ بڑی وجہ یہ ہے کہ عورت کو اٹریکشن چاہیے، توجہ چاہیے، اس کی خواہش ہے کہ کوئی اس کو چاہے، اس کی تعریفیں کریں، چاہے جھوٹی ہی کیوں نہ ہوں، یہ عورت کی آزمائش ہے۔ اس کے برعکس مرد میں سیکس کی جبلت قوی ہے لہذا اس کی آزمائش اس میں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد میں محبت اور عورت میں سیکس کے جذبات نہیں ہوتے بلکہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ مرد اور عورت میں غالب رجحانات کون سے ہوتے ہیں۔

ایک لڑکی جب فیملی لائف سے ہاسٹل میں آتی ہے تو اس کی ہوم سکنس بڑھ جاتی ہے۔ اور تنہائی

ایک عذاب ہے لہذا اس ڈپریشن میں اس کی توجہ حاصل کرنے کی خواہش اور بڑھ جاتی ہے۔ اور کو۔ایجوکیشن میں اس خواہش کے پورا ہونے کے آسان مواقع میسر ہوتے ہیں لہذا وہ ایک نہیں کئی ایک لڑکوں سے اٹیچمنٹ محسوس کرتی ہے۔ لڑکے بظاہر شروع میں اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اسے توجہ دیتے ہیں لیکن لڑکوں کا یہ مزاج نہیں ہے لہذا وہ اپنی سیکس کی جبلت پوری ہونے کے بعد اسے ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ مردوں کو دیکھ لیں کہ وہ شادی کے بعد اپنی سابقہ محبوبہ اور حالیہ بیوی کی کتنی تعریفیں کر پاتے ہیں؟ بلکہ اکثر شوہر حضرات بھی اپنی خواہش پوری کرنے کے بعد دوسری طرف منہ کر کے سو جاتے ہیں کہ انہیں یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے جو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں تو یہ اس کا ردعمل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت میں یہ جذبہ قوی نہیں ہے لہذا بعض اوقات وہ مرد کی اس ضرورت کو محسوس کر کے اسے ایکسپلائٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی۔بی۔سی کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک انڈین وزیر کو یہ کہنا پڑا کہ جو بیوی اپنے شوہر کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دے تو اسے جنسی تشدد میں شامل کرنا چاہیے۔ اور یہ بات اس پس منظر میں درست معلوم ہوتی ہے کہ بعض عورتیں مردوں کی اس کمزوری کو ایکسپلائٹ کرتی ہیں۔

اور عورت کی کمزوری چاہنے جانے کی خواہش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کی اگر یہ ضرورت پوری نہ ہو یعنی چاہے جانے کی تو شادی کے بعد بھی اسے لڑکوں میں رغبت محسوس ہو گی۔ اب یہ عقلمندی تو شوہر صاحب کو کرنی ہے ناں۔ تو ہم یہ بات کر رہے تھے کہ لڑکی ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیے جانے کے بعد اب وہ ڈرگ ایڈکشن میں پناہ لیتی ہے یا کسی اور لڑکے کی گود میں سر رکھ کر اپنی پرانی اذیت کو بھلانا چاہتی ہے لیکن کب تک؟ اس کا انجام یا تو خودکشی ہے، ڈگری وگری تو ویسے ہی کام سے گئی کہ ایسی حرکتوں اور خواہشات کے پورا کرنے میں لگ جانے سے اس کا سی۔جی۔پی۔اے (CGPA) دو بھی آجائے تو بہت غنیمت ہے۔ اس ناکامی کا ڈپریشن علیحدہ سے سر پر سوار ہوتا ہے جو سکون آور ادویات اور ڈرگ ایڈکشن کی طرف لے جاتا ہے۔ اب اسے لڑکے کمینے لگتے ہیں بلکہ اسے تو اپنے استاذ کی نظریں بھی ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ جیسے استاذ صاحب کو اس کی تعلیم سے زیادہ اس کے جسم سے لگاؤ ہو۔ بھئی، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ایسے ہی ہو رہا ہے۔ اسلام آباد کے اسکولوں میں 47

فی صد بچہ ڈرگ ایڈکشن میں مبتلا ہے، یہ باتیں ایسے ہی تو سینیٹ میں ڈسکس نہیں ہو رہیں۔ بہت خطرناک صورت حال ہے اور کسی کو احساس تک نہیں ہے۔

اگر اس کا صحیح معنوں میں حل چاہتے ہیں تو وہ ایک ہے۔ خدارا! اس مسئلے کو سمجھیں، اسے ہلکا نہ جانیں۔ کالج لائف اور یونیورسٹی گریجویشن کے دوران لڑکی اپنی زندگی کے نازک ترین مرحلے سے گزر رہی ہوتی ہے، اسے توجہ چاہیے، عورت کی نہیں کیونکہ وہ کمزور ہے، مرد کی یعنی اپنے سے طاقتور کی۔ اور یہ توجہ اسے اس کی ماں نہیں باپ دے سکتا ہے۔ باپ کی توجہ اور وقت دینے سے اس میں اعتماد پیدا ہو گا اور اس کی لائف میں ٹھہراؤ آئے گا۔ لیکن باپ تو سارے پیسے کمانے کی مشین بنے ہوئے ہیں، ان کے پاس اولاد کے لیے وقت کہاں؟ اور اگر وقت ہے بھی تو اولاد سے تعلق میں گیپ اتنا ہے کہ کمیونیکیشن نہ ہونے کے برابر ہے۔

آپ کی بچی کو توجہ چاہیے، اگر آپ اس کے باپ ہوتے ہوئے اسے توجہ اور وقت نہیں دیں گے، اس کی تعریف نہیں کریں گے، تو وہ یہ سب کچھ باہر سے لے گی، اس کے بغیر اس کے لیے زندہ رہنا مشکل ہے، اگر رہے گی تو ایک قید خانے میں محبوس قیدی کی طرح۔ اور یہ پھر اس کا ایمان اور صبر ہے کہ حیاء، عفت اور پاکیزگی کے ساتھ زندگی گزار جائے۔ لیکن اتنا ایمان اور صبر کس کے پاس ہے؟ اس سارے مسئلے میں اصل قصور وار باپ ہے، بس! کہ جس نے اپنی ذمہ داری صرف اتنی سمجھ لی کہ اولاد پر خرچ کر لیا تو میری ذمہ داری ادا ہو گئی۔ نہیں، اولاد کو آپ سے صرف مال نہیں بلکہ وقت، توجہ اور پیار بھی چاہیے ورنہ تو وہ نامکمل رہے گی اور اپنی شخصیت کی ان ضرورتوں کی تکمیل باہر سے کرے گی۔ آخر کو وہ انسان ہے، اپنی تکمیل تو اسے کرنی ہی ہے ناں۔

تو لڑکے اسے اسی لیے اچھے لگتے ہیں کہ وہ اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن اس کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ لڑکا اس کی تعریف صرف اپنا مقصد نکالنے کے لیے کر رہا ہے اور وہ ہے اپنی سیکس کی خواہش پوری کرنا۔ اور جب وہ پوری ہو گئی تو اب اسے معلوم ہو گا کہ لڑکے اسے کمینے لگتے ہیں۔ لہذا اس کا واحد حل یہی ہے کہ نکاح اور شادی کی جائے کہ جس میں اس کی تعریف کی خواہش بھی جائز صورت میں کسی قدر اور گھر بنانے، بچے پیدا کرنے، خاوند سے خرچہ لینے کی خواہشات بھی

پوری ہو جائیں گی۔ اور ویسے خاوندوں سے تعریف وصول کرنا بھی آسان کام ہے، بیوی بن کر تو دیکھیں۔ عاشقوں سے تعریفیں وصول کرنے کے لیے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ حیاء، عفت، پاکیزگی اور عزت سے بڑی چیز کیا ہو سکتی ہے جو اسے دینی پڑ جاتی ہے۔ تو جب تک شادی نہیں ہوتی تو باپ تعریف کرے، یہی مسئلے کا حل ہے ورنہ تباہی ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے، انہیں بوسہ دیتے اور پھر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ اور یہی معاملہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تھا جبکہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

یونیورسٹی کلچر اور لڑکے لڑکیوں کی پاکیزہ دوستیاں

"ہم سب" پر میڈم فرح احمد کی ایک تحریر "میڈم! مجھے لڑکے پسند ہیں" شائع ہوئی کہ جس کے جواب میں راقم کی ایک تحریر "سر! مجھے لڑکے کمینے لگتے ہیں" کے عنوان سے "ہم سب" پر شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے تحریم عظیم نے "میرے بہت سے لڑکے دوست ہیں" کے عنوان سے ایک تحریر شائع کی۔

تحریم عظیم بلکہ ان کے علاوہ اس معاشرے کے ایک بڑے طبقے کا کہنا یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی باہمی دوستی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے ان دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے، اسٹڈی میں اور زندگی کے مختلف مسائل حل کرنے میں مدد ملتی ہیں۔ اس طبقے کا کہنا یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی میں "محض دوستی" (just friendship) ممکن ہے کہ دوستی کو مرد اور عورت کی تمیز سے بالاتر ہونا چاہیے۔

محض دوستی کو اصطلاحاً افلاطونی دوستی (platonic friendship) بھی کہتے ہیں یعنی ایسی دوستی کہ جس میں لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے سے رومانس اور سیکس کی خواہش نہ رکھتے ہوں۔ اس دوستی کے وجود کے بارے ماہرین نفسیات کا اختلاف ہے جبکہ ماڈرن ریسرچ اسٹڈیز یہ بتلاتی ہیں کہ یہ ایک خواہش ہی ہے اور ایسا حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

2000ء میں جرنل آف سوشل اینڈ پرسنل ریلیشن شپس (Journal of Social and Personal Relationships) میں شائع شدہ ایک ریسرچ کے مطابق 300 کالج اسٹوڈنٹس سے ایک سروے کیا گیا کہ جس کے مطابق ان میں سے 67 فی صد کی فرینڈ شپ، سیکسچوئل ریلیشن شپ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

ایک امریکی یونیورسٹی، ونکونسین-ایو کلیئر (The University of Wisconsin–Eau Claire) نے 400 لوگوں کی دوستی کو تحقیق کا موضوع بنایا کہ جس کا نتیجہ یہ شائع کیا کہ ان میں ایٹریکشن بہت عام تھی اور وہ محض دوستی نہیں تھی۔ اس ریسرچ کا خلاصہ یہ تھا کہ دونوں کی طرف سے نہ سہی لیکن ایک کی طرف سے ایٹریکشن ضرور موجود ہوتی ہے، چاہے کم لیول کی ہو اور یہ عموماً مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔

ایک اور امریکی یونیورسٹی، الاباما (The University of Alabama) نے 418 اسٹوڈنٹس پر ریسرچ کی اور یہ نتائج پبلش کیے کہ اگرچہ اکثریت اس بارے پر امید ہے کہ "محض دوستی" کا وجود ممکن ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ 63 فی صد کا کہنا یہ بھی ہے کہ وہ نہ نظر آنے والی محبت (some kind of secret romantic interest) کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی وہ کسی ذہنی لیول پر جا کر ایک دوسرے میں ایٹریکشن، رومانس اور سیکسچوئل ڈیزائر محسوس کر رہے ہوتے ہیں لیکن وہ اس کو ماننے یا اظہار پر تیار نہیں ہوتے۔

بہر حال ماڈرن سائیکالوجی کیا کہتی ہیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن ہمارا مذہب اس بارے یہی رہنمائی دیتا ہے کہ مرد وزن کی آپس کی دوستیاں درست نہیں ہیں۔ صحیحین کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتیں ہیں۔ اب یہاں عورتوں سے مراد ماں، بہن، بیوی اور بیٹی نہیں ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس سے مراد غیر محرم عورتیں ہیں۔ اور یہ حدیث بیوی کو بہت اچھی طرح سمجھ آتی ہے کہ غیر محرم عورتیں اس کے خاوند کے لیے کیسے فتنہ بن سکتی ہیں۔

ایک اور صحیح حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرد اور عورت جب تنہاء ہوتے ہیں تو ان کے

ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ تو "محض دوستی" کیا چیز ہے بھئی؟ ریلیشن شپ ایکسپرٹ اور بیسٹ سیلر اپیرل میسینی (April Masini) کا کہنا ہے کہ "محض دوستی" کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اس لمحے میں "محض دوستی" سے گزر رہے ہیں تو ذرا انتظار کریں، کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ کو احساس ہو جائے گا کہ یہ آپ کی غلط فہمی تھی۔

بے وقوف یہ سمجھتے ہیں کہ "محض دوستی" ممکن ہے، لڑکے اور لڑکی کا باہمی تعلق بڑے اخلاص اور خیر خواہی پر مبنی ہو سکتا ہے اور "سیکس" تو مولوی کے ذہن میں ہے جو انہیں اس دوستی سے ڈراتا ہے۔ اگر "سیکس" مولوی کے ذہن میں ہے تو "فرائیڈ" اور "منٹو" مدرسے کی پیداوار ہیں کیا؟ بیسویں صدی میں سائٹ کیا جانے دوسرا بڑا سوشل سائنٹسٹ اور سائیکالوجسٹ "فرائیڈ" ہے کہ جس کا کہنا ہے کہ ماں بیٹے کے پاس اور باپ بیٹی کے پاس بیٹھے تو اس میں بھی سیکسچوئل ڈیزائر موجود ہوتی ہے۔ تو یہ سیکس کیا مذہب کے ذہن پر سوار ہے یا آپ کی ماڈرن سائیکالوجی کی بنیادوں پر؟

اگر لڑکے اور لڑکی کی دوستی اتنی ہی پاکیزہ ہوتی ہے تو یہ سائبر کرائمز کس بلاء کا نام ہے اور اتنی بڑی تعداد میں یہ کہاں سے ٹپک پڑے کہ آپ کو قانون سازی کی ضرورت پڑ گئی؟ یہ یونیورسٹیز میں ڈیٹنگ کلچر کسے کہتے ہیں اور پیئرز یعنی جوڑے جھاڑیوں اور درختوں کے پیچھے چھپ کر کون سی اسائنمنٹ حل کرنا چاہتے ہیں؟ یہ فرینڈ شپ کے نتیجے میں کورٹ میرج کوئی مریخ پر ہو رہی ہے کیا؟ اگر یہ دوستی اسٹڈی میں ہیلپ فل ہے تو سی۔ جی۔ پی۔ اے (CGPA) ان اسٹوڈنٹس کا کیوں کم آ رہا ہے کہ جن کی کراس جینڈر دوستیاں زیادہ ہیں؟

لبرل طبقے کے پاس اپنے موقف کے حق میں عجیب و غریب فضول قسم کے منطقی دلائل ہے۔ ان کی ماڈرن منطق کے مطابق تو چنگیز خان بھی اللہ کی نعمت سے کم نہ تھا کہ اگر اتنے انسان قتل نہ کرتا تو دنیا کی آبادی خطرناک حد تک بڑھ چکی ہوتی۔ لبرل لکھاریوں کا المیہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس کہنے کو کوئی عقلی و منطقی بات نہیں ہے۔ ان کے پاس کہنے کو بہت سی منطقی اور عقلی باتیں ایسی ہی ہیں کہ جیسے "دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"۔

اور قابل افسوس صورت حال یہ ہے کہ اب یونیورسٹی ٹرپس کے نام پر یہ مخلوط معاشرت اتنی عام

ہو چکی ہے کہ مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے بھی ان میں شمولیت ایک عام سی بات ہو چکی ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہ نقاب میں گروپ فوٹو کھچوالیں گی۔ لیکن ان لڑکیوں کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ چیز ان کی شادی کے بعد کی زندگی کے لیے کتنی نقصان دہ ہے کہ ان کا شوہر ساری عمر شک میں گزار دے گا۔ ان مردوں کو "غیرت" مذہب نے نہیں دی، یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ غیرت ان کے جینز میں ہے۔ یہ مذہب کو چھوڑنے کے بعد بھی تمہارے معاملے میں اتنے ہی غیرت مند رہیں گے جیسا کہ مغرب کا مرد بھی اپنی عورت کے بارے میں غیرت مند ہے۔

محبت نیوز: کیمرہ وومین، شرم وحیا کے ساتھ، عفیفہ شمسی

میں نے کہا ذرا رکیں جناب! محبت پہ گفتگو کر لیتے ہیں، جس نے فضول کے تماشے کھڑے کر رکھے ہیں۔ بھئی، یہ عجیب معاملہ ہے کہ محبت نے ہر جگہ ٹانگ اڑا رکھی ہے۔ ہسپتال میں یا تو ڈاکٹر کو ڈاکٹر سے محبت ہو جاتی ہے، یا تو نرس کو ڈاکٹر سے ہو جاتی ہے۔ بزنس میں باس کو سیکریٹری سے محبت ہو جاتی ہے، یا کولیگ کو کولیگ سے ہو جاتی ہے۔ یونیورسٹی میں یا تو اسٹوڈنٹ کو اسٹوڈنٹ سے، یا اسٹوڈنٹ کو ٹیچر، یا ٹیچر کو اسٹوڈنٹ سے، یا پھر ٹیچر کو ٹیچر سے محبت ہو جاتی ہے۔

جوائنٹ فیملی میں یا تو کزن کو کزن سے، یا پھر کزن کو کزن کی دوست سے عشق ہو جاتا ہے۔ فیس بک پہ فرینڈ لسٹ کو ایک پوری فرینڈ لسٹ سے محبت ہو جاتی ہے، یا پھر کوئی ٹیم ورک ہو تو اس ٹیم ورک کے ممبرز میں سے کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے۔ یونیورسٹی میں سے ایک ڈیپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹ کو دوسرے ڈیپارٹمنٹ کے کسی اسٹوڈنٹ سے محبت ہو جاتی ہے۔

اور پھر کسی کو جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت ملتی نہیں تو کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی قسم کی خودکشی کر کے قبر سے محبت کر لیتا ہے۔ دماغ میں تو ان کے یہی ہوتا ہے کہ لیلی مجنوں کی طرح امر ہو جائیں گے، آگے جو ڈنڈے تیار ہیں ان کی خیر ہے لیکن بس محبت ہو جائے سہی۔ ایک بات بتائیں ذرا، دنیا میں کوئی اور کام رہ گیا یا بس محبت کر کے نوبل پرائز جیتنا چاہتے ہیں۔

اور جی اگر کوئی زیادہ ہی شریف بنتا ہے تو جی اپنے ابو کا نمبر دے دیں، میں شرافت سے رشتہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ جی میں بڑا شریف، اعلی بندہ، سپر مین، بیٹ مین تو پتا نہیں کون کون سا مین۔ ہاں، جی جی،

آپ کے لیے ہی تو گھر سے نکلے ہیں، کہ ابھی آپ کی پڑھائی کا پہلا سال ہو، پہلے سیمسٹر میں تھوڑے سے اچھے نمبر آ جائیں تو دوسرے میں آپ کو محبت ہو گئی ہے۔ اب چونکہ آپ بہت شریف ہیں تو آپ کو شادی کرنی ہے، باقی سب جائے بھاڑ میں۔ آپ پیدا ہوئے ہی شادی کرنے کے لیے تھے۔

اب چونکہ آپ کو ڈاکٹر سے محبت ہو چکی ہے، تو مریض جائیں بھاڑ میں، آپ تو ادھر رشتہ دیکھنے آئے تھے۔ جیسے گھر میں زنجیروں سے باندھ رکھا تھا سب نے، ایسے علاقے میں رہتے تھے جہاں صنف مخالف کا قحط پڑا ہوا تھا، لہذا جیسے ہی فیس بک پہ آئے آپ کو محبت ہو گئی ہے۔ خدا کا خوف کریں، تھوڑا آئے دن کوئی کوئی لڑکی ایسا مسئلہ لے آتی ہے کہ جس میں یا تو کوئی اس سے محبت کرتا ہے، یا تو اس کو کسی سے محبت ہوتی ہے۔

تو جی! اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں اس بارے میں؟ تو جی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو حرکتیں کر رہے ہو، یہ نہیں کرنی ہیں۔ جی محبت تو ہو ہی جاتی ہے جی، تو پھر اسلام میں پسند کی شادی سے بھی تو منع نہیں کیا ہوا۔ ہاں جی، بالکل بالکل! اس کام سے پہلے بھی شاید اسلام نے کچھ فرمایا تھا کہ ایسی نوبت ہی نہیں آنی چاہیے۔ اور اگر آ ہی گئی ہے تو یہ جو چٹ چیٹ، یہ بالکل بھی فطری نہیں ہے۔

ایک بات بتائیں کہ آپ ابھی کسی جگہ قدم رکھتے نہیں ہیں کہ ان خرافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پیدا آپ ہوتے ہی نہیں ہیں کہ آپ کو محبتیں ہو جاتی ہیں کچھ اللہ کا خوف کریں۔ یہ جو چند فٹ کے منوں کو آج کل محبتیں ہو رہی ہیں، میرا خیال ان کو تو love کے علاوہ کسی لفظ کے سپیلنگ بھی نہیں آتے ہوں گے۔ آپ ہیں کتنے؟ رولا آپ نے ایسے ڈالا ہوا ہے جیسے آپ ماشاءاللہ دس فیملیز کو سنبھالنے کا تجربہ رکھتے ہیں۔ فیس بک پہ تو تماشا ہی لگا دیا جیسے دو فٹے کے بچے اور بے حیاؤں کی طرح فضول مذاق اور محبت و شادی کی رٹ لگائی ہے۔

اٹھارہ سال کے یہ ہوتے نہیں ہیں شور ایسے ڈالا ہوتا ہے جیسے پچاس کی عمر کراس کر گئے ہیں اور کنوارگی آوارگی میں بدلنے لگی ہے۔ دیکھیں بھئی جن کے والدین یا گھروں کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ جہاں شادیاں جلدی ہو جاتی ہوں، وہاں سولہ سال کی عمر میں بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ جو دوستوں سے سیکھ کر یا دیکھا دیکھی دو نمبر لطیفے آپ پوسٹ کر رہے ہیں یا سنا رہے ہیں یہ آپ کوئی کمال نہیں کر

رہے ہوتے۔

اتنا مسئلہ ہے تو آپ کی شادی فیس بک نے نہیں کروانی، آپ کے گھر والوں نے کروانی ہے ان کے سر پہ جا کے ناچیں۔ یہ ماحول نہ خراب کیا کریں۔ ایک آتا ہے چار نمبر لطیفہ پوسٹ کرتا ہے یا بات کرتا ہے۔ دوسری طرف پوری ایک لائن لگی ہوتی ہے آدھے کنوارے تو آدھے شادی شدہ سارے سرکس دیکھنے آجاتے ہیں۔ اچھا جی، اب جی چونکہ اپنی جاگیر ہے اس لیے جی رشتے کے پیغامات جا رہے ہیں، والدین کو بعد میں بتادیں گے، پہلے آپ تو قبول کرلیں بہن جی! جی بالکل! اسی لیے تو فیس بک جوائن کیا ہوا ہے سب نے۔

اب یہ ہے کہ بھائی تھوڑا انتظار کرنا ذرا، جتنے رشتے آئے ہیں اس کی لسٹ بنالوں پھر جو اچھا لگا اس پہ ٹک کردیں گے۔ جی اپنا معیار بھی تو دیکھنا ہوتا ہے نا جی، جی جی بالکل۔ جی، اب چونکہ ہماری شادی ہو جانی ہے اس لیے تھوڑی چیٹ کر لیتے ہیں اور چونکہ مجھے آپ سے محبت ہے آپ کو بھی ہو جانی چاہیے۔ جی جی بالکل! اسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنی ہے نوجوانوں نے۔ آپ لوگوں کو کوئی خیال بھی ہے کہ ایسے کر کے آپ کیا کر لیتے ہیں؟

اس وقت فیس بک نو سال کی بچی بھی یوز کرتی ہے، آٹھ سالہ بچے کو مسئلہ ہے کہ اسے فیس بک آئی۔ ڈی بنا کر دی جائے، بی۔ کاز فرینڈز گیم کھیلتے ہیں۔ اچھا جی، یہ لیں جی، جیسے آپ کہیں جی اور پھر گیم سے نئی گیم شروع ہو جاتی ہے جی۔ صرف لڑکے تھوڑی، لڑکیاں بھی بھرپور شامل ہیں۔ پر جی جس سے آپ نے باتیں شروع کی ہیں نا وہ تیرہ یا پندرہ سالہ لڑکی بھی ہو سکتی ہے جسے آپ شادی کے خواب دکھادیتے ہیں اور پھر اسے تو آپ سے محبت ہونی ہی ہے کیوں نہیں ہونی؟

اسے تو اس انکل سے بھی محبت ہونی ہے جو بچی سمجھ کر مفت میں چاکلیٹس دے دیتے ہیں۔ اسے سکول کے مالی بابا سے بھی محبت ہونی ہے کیوں کہ مالی بابا سب کے سروں پہ ہاتھ رکھتے ہیں، اور پھر کیا ہوتا ہے؟ جی امی آپ کی مان نہیں رہیں، یا تو امی ان کی نہیں مان رہیں۔ اور جی، چلیں جی، ہم اللہ میاں کے پاس چلتے ہیں بڑے ویلے ہیں ہم۔ قبر کی مٹی کھودیں گے، تھوڑی سی ورزش ہو جائے گی۔ اب اگر آپ بڑے ہیں تو آپ تو چل دیں پیچھے، جس بچی کی زندگی خراب کی ہے اس کا کیا کرنا ہے؟

ارے بھئی وہ آپ کا مسئلہ تھوڑی ہے، والدین اٹھائیں گے، کسی جگہ شادی کر دیں گے۔ اور چونکہ آپ مرد ہیں، اس لیے آپ اپنی مرضی کے فیصلے کریں گے۔ اور یہ جو کاکوں کو کاکیوں سے محبتیں ہو جاتی ہیں، ان سے میرا سوال ہے کہ بیٹا آپ برتن دھونے کے لیے گھر کے لیے صابن لے آتے ہو؟ اچھا اگر امی کہیں تو دستر خوان لگا لیتے ہو؟ اچھا سکول چلے جاتے ہو نا اکیلے۔ آپ میٹرک میں کیا آ گئے ہیں آپ کے دماغ میں بھوسا بھر گیا ہے۔

یہ جو دو ٹکے کی محبت اور شاعری ہو جاتی ہے آگے زندگی میں کیا ہوتا ہے کچھ پتا ہے؟ موبائلز ان کے ہاتھوں میں ہیں، رانگ نمبرز ان کے پاس ہیں۔ دوست سے لے کر ہر بندہ اسی قسم کا رکھا ہوا ہے۔ ماشاء اللہ جی، اقبال کے شاہین اڑ کے شادی کریں گے۔ اور یہ جو ہمارے ماشاء اللہ سے جوان داڑھی والے باجے اور نقابوں والی باجیاں ہیں، کچھ عقل ہے؟ آپ کو کوئی راستہ کیا ملا آپ کا مقصد ہی یہ بن گیا کہ آپ زندگی خراب کر لیں؟ ایسے جیسے ڈبے میں آپ کو بند کر کے رکھا تھا، انڈے میں گھسایا ہوا تھا، باہر نکلے ہیں تو مارے شدت خوشی کے آپ کو جی محبت ہو گئی ہے۔

جی گروپ میں آپ جاتے ہیں کہ وہ جو ایک بندہ ہے ناروز پوسٹ لائک کرتا ہے، وہ ہے اچھا بندہ، لڑکیوں کی بڑی عزت کرتا ہے۔ وہ جو آپ کے فالوورز میں سے ایک باقاعدگی سے آپ کی پوسٹ لائک کرتا ہے ناعنقریب اس کا رشتہ آجانا ہے۔ اوبی بی! میری بات سنو امی ابو مان جائیں گے؟ لڑکا منوالے گا، وہ سپائیڈر مین؟ نہیں پتا؟ تو یہ کیسے پتا ہے کہ گپ شپ کرنی ہے وعدے کرنے ہیں، مرنا ہے تو زندہ ہونا ہے۔ جی، ہماری محبت تو چھ سال پرانی ہے۔

اچھا جی؟ تو کتنے سال کی تھی آپ؟ جی چودہ۔ یہ نا ہمارا ہمسایہ ہے، اسے پیدا ہوتے ہی مجھ سے محبت ہو گئی تھی۔ اللہ کی قسم مر جاؤں گی، گڑ کھا لوں گی، دودھ پی لوں گی پر اس کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ لو جی، خواتین بھی کم نہیں ہوتیں۔ ان کو ایک تو یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ دوسرا ہماری طرف متوجہ کیوں ہے یا پھر ان کو یہ مسئلہ ہے کہ دوسرا ہماری طرف متوجہ کیوں نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس بگڑتے معاشرے میں جس طرح کی امیدیں قائم ہو چکی ہیں، ان پہ ضرب لگے تو بڑی انا جاگتی ہے۔

یہ عورتوں نے بھی بڑوں بڑوں کے ایمان خراب کیے ہیں۔ مجھے بتائیں کبھی مرد نہیں دیکھا؟اور یہ اتنے سال کی تربیت کہاں جاتی ہے؟ کہ جی آپ یونی میں کیا چلے گئے کسی نے پیشکش کیا کر دی سارا کچھ بھاڑ میں گیا؟ فیس بک پہ کسی نے میسج کیا کر دیا کچھ دن، سارا کچھ شروع؟اور مردوں کی بھی خوش فہمیاں ذرا چیک کریں کہ اگر کوئی خاتون ایک دو دفعہ کسی کام کے سلسلے میں بھی آپ سے رابطہ کر لے تو آپ کی گردن میں سریا آجاتا ہے کہ جی وہ نابس ہو گئی، عاشق ہو گئی بس۔

اور اگر دوسری طرف آپ مرد بڑے ہیں اور کسی چودہ پندرہ سالہ لڑکی کو عمر جاننے کے باوجود چکنی چپڑی باتوں میں لگائے رکھتے ہیں، تو بھائی جان قصور اس کا نہیں آپ کا زیادہ ہو گا۔ دوسرا لڑکی کو بھی پتا ہونا چاہیے کہ ادھر سارے انکل نہیں ہیں جو آپ کو گڑیا کہہ دیں گے تو آپ محبت میں فنا و غرق و غارت ہو جائیں گی۔ حد ہی ہو گئی ہے، مصیبت ڈال رکھی ہے۔ نہ صرف اپنی زندگی خراب، پھر اگلے کی بھی خراب۔ دیکھیں، یہ مصروفیات ان کی ہوتی ہیں جنہیں اور کوئی کام نہیں مل رہا ہوتا۔

اور کام ملنا نہیں ہوتا آپ نے ڈھونڈنا ہوتا ہے۔ جو آپ نے مقصد بنایا ہے نظر وہیں رہے گی۔ اور پھر اس مقصد سے نظر جھکانے کا حکم کیوں دے دیا اللہ نے؟ پھر جی ایک طرف وہ لوگ ہیں جو واقعی شرافت سے نکاح کی پیشکش کرتے ہیں، تو حضور والا! یہ نبی پاک ﷺ کا دور نہیں ہے یہ ساڑھے چودہ سو سال بعد کا زمانہ ہے، ٹھیک ہے؟ جہاں آپ کتنا ہی کہہ لیں کہ آپ کی پسند ہے لڑکی کا کردار ٹھیک ہے، الزام ملے گا لڑکی کو ہی اور آپ کی بھی عزت نہیں ہو گی۔ بددعائیں ملیں گی لڑکی کو ہی۔

تو سیدھا سادا مشورہ ہے کہ اللہ پہ بھروسا کریں، والدین پہ بھروسا کریں۔ ٹھیک ہے نہیں کہتے کہ محبت نہیں ہوتی۔ ہو جاتی ہے بالکل ہو جاتی ہے لیکن اپنے سورس تک جائیں، ان کو بتائیں۔ اور اس سے پہلے ایک دوسرے کو ساتھ جینے مرنے تے لٹنے لڑنے کے خواب مت دکھائیں۔ صاف سیدھا کرپشن سے پاک کام کریں اور موج کریں۔ تھوڑا سکون بھی لینے دیں کسی جگہ، لیکن اللہ کا واسطہ یہ پبلک میں شادی یا محبت کے حوالے سے عجیب و غریب ڈھنڈورے پیٹنا بند کر دیں۔

آپ جانتے بھی نہیں ہیں کہ اس وقت کتنے آپ کو کچا کھانے کو تیار بیٹھے ہوتے ہیں ان خرافات کی وجہ سے۔ اور اب اس پوسٹ کو پڑھنے کے بعد جتنے لوگ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ کیا ہوا، کس

نے آپ کو ایسا کہہ دیا وغیرہ وغیرہ کیوں کہ امی کہتی ہیں جو کہتا ہے وہ خود ہوتا ہے، اس لیے یہ سب آپ پہ بیتا ہے، تو جی کس کی ہمت ہوئی ایسا کہنے کرنے کی؟ ان سے میری گزارش ہے کہ آپ کو اردو بہتر کرنے کی از حد ضرورت ہے۔ مجھے جو مسئلہ ہو گا وہ میں یہاں نہیں لکھوں گی اسے حل کروں گی۔ یہ مسئلے اس جوان عوام کے ہیں، جن کی محبت جوش میں آگئی ہے اور خودکشیاں کر کر کے مری جا رہے ہیں۔

نوٹ: ہماری بھانجی کی تحریر ہے، بہت اچھے سے لکھا ہے۔ ہماری نوجوان نسل کے واقعی میں تین مسائل سلگتے ہوئے مسائل ہیں؛ محبت، ڈر گز اور غیر مستقل مزاجی۔ یہ تحریر نہ صرف آپ کو ہنساتی ہے بلکہ رلاتی بھی ہے کہ یہاں ہر دوسرے شخص کو خواہ مخواہ کی محبتیں چڑھی ہوئی ہیں اور پھر اس پر کوئی ندامت یا شرمندگی نہیں بلکہ فخر ایسا ہے کہ جیسے کوئی بہت ہمت کا کام کیا ہے۔ بھئی، اگر محبت کرنی ہے تو اپنی بیوی سے کر کے دکھا دو یا بیوی نہیں ہے تو شادی کے بعد اس سے کر کے دکھا دینا، اکثر کیسز میں شادی کے بعد تو وہی محبوبہ تو ڈائن بن جاتی ہے۔ یونیورسٹی کے تجربے سے معلوم ہوا کہ حل اس کا یہی ہے کہ والد صاحب اپنے غیر شادی شدہ بچوں کو، خاص طور بچیوں کو، وقت دیں۔ یہ بہت ضروری ہے، مزید تبصرہ کسی الگ سے پوسٹ میں کروں گا۔

منہ بولی بہن

دوست کا سوال ہے کہ یونیورسٹی میں عموماً طلباء کسی نہ کسی لڑکی کو منہ بولی بہن بنا لیتے ہیں جبکہ بعض اوقات لڑکیاں کسی کو منہ بولا بھائی بنا لیتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ یہ کلچر اب بہت تیزی سے معاشرے میں پھیل رہا ہے، اب تو لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ چپک کر بیٹھے ہوں گے یا ایک نے دوسرے کی گود میں سر رکھا ہو گا یا اس کی گردن میں بانہیں ڈالی ہوں گی اور کوئی ٹیچر پوچھ لے کہ یہ کیا حرکت ہے تو وہ بڑی معصومیت سے جواب دیتے ہیں کہ ہم بہن بھائی ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ کسی کو منہ سے بہن کہہ دینے سے نہ تو وہ بہن بن جاتی ہے اور نہ ہی منہ سے بھائی کہہ دینے سے وہ بھائی بن جاتا ہے۔ وہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے غیر محرم ہی ہیں اور ان کا ایک دوسرے کو ٹچ کرنا اور تنہاء بیٹھنا حرام ہے۔ کچھ طلباء کا کہنا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو ٹچ

نہیں کرتے، بس ایک دوسرے کے مسائل سنتے اور حل کرتے ہیں اور اس طرح ایک لڑکی نے کئی کئی بھائی اور ایک لڑکے نے کئی کئی بہنیں بنائی ہوتی ہیں۔

بندہ کبھی ان سے پوچھے کہ وہ جو تمہارے ابا جان سے تمہاری بہن یا بھائی ہے، تم نے کبھی اس کے مسائل سنے اور حل کیے ہیں جو یہاں تمہیں اتنی خیر خواہی چڑھی ہوئی ہے۔ تو یہ کچھ بھی نہیں، صرف شیطان کا دھوکا ہے اور یہی چیز زندگی کے کسی موڑ پر کسی خرابی کا باعث بن جاتی ہے۔ شریعت میں بہن بھائی وہی ہیں کہ جن کے ماں باپ ایک ہوں اور سائنس کی زبان میں بہن بھائی وہ ہیں کہ جن کا جینیٹک کوڈ ملتا ہو۔ تو حقیقی بہن بھائی تو یہی ہیں، باقی تو ہم نے سوچ سے بنا رکھے ہیں۔ جس طرح صرف سوچنے سے میاں بیوی نہیں بن سکتے، تو بہن بھائی کیسے بن جاتے ہیں؟

پس جنہیں ہم نے اپنی سوچ میں بہن بھائی بنا رکھا ہے تو یہ دھکے کے بہن بھائی ہیں۔ ہم جانتے بوجھتے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور معاشرے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو منہ بولی بیٹی یا بیٹا بنا لینا، منہ بولی بھانجی یا بھتیجی بنا لینا یا منہ بولا ماموں یا چچا بنا لینا بھی درست نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک بات واضح کر دوں کہ ایک ہے کہ کسی کو ضرورت پڑنے پر انکل، چچا، ماموں، بھتیجے، بچے کہہ دینا تو اس میں حرج نہیں ہے، ظاہری بات کہ آپ کو اگر کسی بڑے کو مخاطب کرنا ہے تو اوئے کر کے تو مخاطب نہیں کریں گے۔

لیکن ایک یہ ہے کہ اگر کسی سے مستقل واسطہ پڑتا ہو تو پھر کسی کو منہ بولا رشتہ دار بنانے کی ضرورت نہیں ہے، بس یہ شعور اور احساس ہر دم زندہ رہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے غیر محرم ہیں۔ اب یہاں ایک سوچ یہ بھی ہے کہ چونکہ زندگی میں بعض اوقات نامحرم رشتوں میں ایسا واسطہ یا ضرورت پڑ جاتی ہے تو ایسے میں کمیونیکیشن کے لیے بہتر ہے کہ اسے کچھ منہ بولا رشتہ دار بنا لیا جائے تا کہ ایک دوسرے کے ذہن میں ایک دوسرے کے بارے کچھ برا خیال یا وسوسہ نہ آئے۔

تو یہ صرف ایک سوچ ہے جو حقیقت حال کے خلاف ہے۔ اور حقیقت کے خلاف آپ اپنی سوچ کو زیادہ دیر چلا نہیں سکیں گے۔ پس جہاں کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے تو وہاں اصل حقیقت یہی ہے کہ آپ نامحرم ہے، اور اسی حقیقت کا شعور آپ کو کسی خرابی سے بچا سکتا ہے نہ کہ اس کے برعکس

سوچ۔ قرآن مجید نے رشتوں میں حقیقت کا اعتبار کیا ہے لہذا سورۃ الاحزاب اور سورۃ المجادلۃ کے آغاز میں کہا ہے کہ کسی کو بیٹا کہہ دینے سے وہ تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا اور بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ تمہاری ماں نہیں بن جاتی۔

غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا

صحیح الجامع کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں کسی شخص کے سر میں لوہے کی کیل ٹھونک دی جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کو ٹچ کرے۔ اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ اللہ کی قسم، بیعت لیتے وقت بھی اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ کسی مسلمان عورت کے ہاتھ سے مس نہ ہوتا تھا۔

سنن النسائی میں حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں۔ مذاہب اربعہ اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرد کا کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت منسوب ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے بیعت لیتے وقت عورتوں سے مصافحہ کیا تو اولاً تو وہ روایت اہل علم کے نزدیک ثابت (authentic) نہیں ہے۔ اور دوسرا اس روایت میں بھی مصافحہ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں ان عورتوں نے گھر کے اندر سے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باہر سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس روایت میں مصافحہ کا ذکر بالکل بھی نہیں ہے بلکہ یہ علامتی بیعت تھی۔

باقی یہ کہنا کہ اگر شہوت محسوس نہ ہو تو اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہے تو پھر تو عورت سے معانقہ کرنا یعنی گلے ملنا بھی جائز ہو گا، اگر شہوت محسوس نہ ہو تو؟ شہوت کا ہونا تو حکم کی علت بن ہی نہیں سکتا کہ اس میں انضباط (regularity) کی شرط پوری نہیں ہوتی اور علت کے لیے ضروری ہے کہ وہ منضبط ہو اور ظاہر ہو یعنی اس کے مطابق ضابطہ بندی ہو سکے اور حواس خمسہ سے اس کا ادراک ممکن ہو۔ اب شہوت تو ہر حال میں ظاہر ہو ہی نہیں سکتی کہ ہے ہی دل میں تو کیسے معلوم ہو گا

کہ ہے یا نہیں۔[1]

مسجد اور کلچر

اگر ہم مسجد کو اپنے کلچر کا حصہ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے ڈیزائن کو حالات کے تقاضوں کے مطابق کچھ ریوائز کرنا ہو گا اور اسلامک آرکیٹیکچر کا ذہن رکھنے والوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ مثال کے طور پر سیر وسیاحت، پکنک، پارکوں میں تفریح کے لیے نکل جانا اور ہوٹلنگ وغیرہ ہمارے کلچر کا حصہ ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پارک اور ہوٹلز ہماری فیملیز کو سامنے رکھ کر ڈیزائن کیے گئے ہیں نہ کہ صرف مردوں کو۔

بہت سے ایسے ایونٹ کمپلیکس اور شادی ہالز دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جہاں کوئی دینی پروگرام یا ایکٹوٹی ہو تو ساتھ میں عورتوں اور بچوں کا بھی علیحدہ سے انتظام ہوتا ہے تو لوگ وہاں اکیلے نہیں بلکہ فیملیز کے ساتھ شرکت کرتے ہیں تو ایسے میں دین ان کے لیے بوجھ نہیں رہتا بلکہ انجوائے منٹ بھی بن جاتا ہے۔ جہاں میں اس مرتبہ رمضان میں دورہ ترجمہ قرآن کروا رہا ہوں تو وہ ایک شادی ہال ہے، جہاں عورتوں کا الگ سے انتظام ہے اور ساتھ بچوں کے لیے بھی چھوٹا سا پلے ایریا (play area) مختص کر دیا گیا ہے۔ لہذا اب مردوں کے لیے اس پروگرام میں شرکت کرنا زیادہ آسان ہے اور ان کی شرکت کی نسبت بھی بڑھ جاتی ہے۔

یہ سب کچھ ہم کیا مسجد کے ساتھ نہیں کر سکتے ہیں کہ مثلاً بعض مساجد میں کچھ جگہ عورتوں کے لیے تو مختص ہوتی ہی ہے، اگر تھوڑی جگہ جو مسجد میں شامل نہ ہو لیکن اس سے ملحق ہو، چاہے ایک کمرہ ہی کیوں نہ ہو، اسے بچوں کے پلے۔ ایریا (play area) کے طور پر مختص کر دیا جائے تو رمضان اور غیر رمضان میں نہ صرف مسجد میں آنے والے مرد وخواتین کی تعداد میں اضافہ ہو گا بلکہ بچوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی اسلامی ماحول میں پلے بڑھے گی اور وہ عبادت تو کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔

---

[1] پس شہوت کا ہونا یا نہ ہونا یہ حکمت ہے اور حکم کا مدار علت پر ہوتا ہے نہ کہ حکمت ہے جبکہ حکمت تو علت کی شرائط میں سے ایک شرط ہے کہ وہ وصف مناسب ملائم ہے یعنی اسے حکم شرعی کے ساتھ کچھ عقلی اور منطقی مناسبت ہو۔

اور اگر نہ بھی کر سکیں تو کم از کم ان کی دوستیوں کی بنیاد دین بن جائے گا اور اس کا ان کی فیوچر لائف پر بہت اثر پڑے گا۔

اگرچہ اسلامک سینٹرز ڈیزائن کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے لیکن مساجد کے لیے اس کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے حالانکہ صحیح احادیث کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتوں اور بچوں کا مساجد میں آنا عام تھا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ مسجد اور مسجد میں ہونے والی ایکٹوٹیز میں شرکت کی نسبت کی کمی کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خواتین اور بچے، مردوں سے اپنے حصے کا وقت مانگتے ہیں اور کوئی ایسی ایکٹوٹی چاہتے ہیں کہ جس میں پوری فیملی شریک ہو۔

ہمارے معاشرے اتنے بھی دین بیزار نہیں ہیں جتنا کہ ہم نے انہیں سمجھ لیا ہے، بس ہم نے اپنے دین کو اپنے کلچر میں رچنے بسنے کا موقع بہت کم دیا ہے۔ آپ اسلامی معاشرے میں مسجد کو اس طرح سے ڈیزائن کر دیں کہ وہاں خواتین ہال بھی ہو، بچوں کے لیے پلے ایریا بھی ہو، آڈیٹوریم بھی ہو، فیملیز مل کر ایک دن کی ورکشاپ بھی اٹینڈ کریں اور مل جل کر کھانا بھی کھائیں، تو ایسی صورت میں یہی مسجدیں ہمارے کلچر کا حصہ بن سکتی ہیں۔

اگرچہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ ایسی صورت میں یہ مساجد کہیں پکنک کی جگہیں نہ بن جائیں لیکن ہمارے ہاں اسلامی تحریکوں کے تحت جس طرح اسلامک سینٹرز، کمیونٹی سینٹرز اور شادی ہالز میں بھی دینی ایکٹوٹی میں پوری پوری فیملیز شرکت کرتی ہیں بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو مسجد کے ماحول سے کسی طرح کم نہیں ہوتا تو ہمارے معاشرے میں مساجد بھی اسی طرح سے آباد ہو سکتی ہیں جیسے ہوٹلز، پارک اور بازار آباد ہیں۔ اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ مسجد کو بازار یا ہوٹل نہیں بنانا ہے لیکن کم از کم کچھ ایسا تو کیا جا سکتا ہے کہ جس کی روایات کی روشنی میں اجازت نکلتی ہو اور یورپ کی مساجد میں یہ کام بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

خوش رہنا سیکھیں!

دوست کا سوال ہے کہ وہ خوش نہیں رہتا، لائف کو انجوائے نہیں کر پاتا، زندگی میں جیسے بہت ہی

بوریت اور خشکی ہو، جبکہ اس کے دوست چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت انجوائے کرتے ہیں، ہنستے ہیں، مسکراتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں لیکن اس سے یہ سب کچھ نہیں ہو پاتا۔اس کا کیا حل ہے؟

جواب: خوش رہنا ایک فن اور آرٹ ہے کہ اگر آپ کو نہیں آتا تو آپ کو سیکھنا پڑے گا۔ کچھ لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ مزاجاً خوش دل ہوتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کھلکھلا کر ہنس پڑنا ان کے مزاج میں ہوتا ہے۔ خوش رہنا اور مسکراتے رہنا جسمانی، ذہنی اور روحانی صحت کے لیے ازحد ضروری ہے۔ کبھی کبھار ہنسی مذاق بھی کر لینا چاہیے، ہر وقت علامہ اقبال بنے رہنا درست رویہ نہیں ہے بلکہ ذہنی اور دینی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

خوش مزاجی یا خوش دلی میں ایک بڑی رکاوٹ ماڈرن لائف اسٹائل ہے کہ جس میں کاموں کی اتنی بھرمار ہے کہ ہر وقت جیسے ذہن پر ٹینشن سوار ہے کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو جیسے ٹرین نکل جائے گی، ہوائی جہاز نکل جائے گا۔ چھوٹی سی جان اور اتنے بڑے بڑے پلان اور پھر ان کو پورا کرنے کے لیے اتنے کام۔ دنیا دار ہے تو جیسے اس نے بل گیٹس کو کراس کرنا ہے اور دیندار ہے تو جیسے دنیا میں انقلاب اسی کی محنت سے آنا ہے۔ تو ان حالات میں بندہ ٹینس نہیں ہو گا تو کیا کرے گا؟

پھر ڈیپریشن کی بیماری عام ہے کہ زندگی میں ذرا سی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جائے تو انسان بستر سے لگ جاتا ہے، اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے، چہرے پر عجیب مایوسی سی چھائی رہتی ہے اور بیس سال کی عمر میں فیس ایکسپریشن ایسے جیسے ستر سال کے بزرگ تدبر اور تفکر فرما رہے ہوں۔ اور بعض اوقات اگر میاں بیوی دونوں ڈیپریشن کے مریض ہوں تو چھ چھ مہینے ایک دوسرے کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھ پاتے اور گھر میں ایک عجیب غم اور سوگواری کی کیفیت ہر وقت طاری رہتی ہے۔

اگر آپ زیادہ تر ڈیپریشن اور ٹینشن میں رہتے ہیں اور خوش رہنا چاہتے ہیں تو ایک آسان سی تدبیر بتلا دیتا ہوں، اس پر عمل کر لیں، تو ان شاء اللہ! سے خوش رہنا سیکھ جائیں گے۔ دن میں آدھا گھنٹہ چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلیں، بھلے آپ کے اپنے ہوں یا بہن بھائیوں کے۔ اور فزیکلی کھیلیں، ان کے لیے گھوڑا بنیں، بیڈ منٹن کھیلیں، کوکلا چھپاتی اور چھپن چھپائی کھیلیں، اگر اس کے حالات نہیں ہیں تو لڈو اور کیرم بورڈ ہی کھیل لیں وغیرہ۔ بھئی، میں اپنے بچوں کے لیے گھوڑا بنتا ہوں اور بہت

خوش ہوتا ہوں۔

اور پھر کھیلتے وقت بچے بن کر کھیلیں، جیتنے پر شور مچائیں، ہارنے پر موڈ آف کریں، چیٹنگ (cheating) بھلے نہ کریں لیکن اس کے لیے کوشش ضرور کریں۔ میاں بیوی میں اگر تناؤ زیادہ رہتا ہو تو وہ بھی انڈور گیمز کے لیے وقت نکالیں اور بچوں کے ساتھ مل کر آپس میں کھیلیں۔ اگر گھر میں بچے نہیں ہیں تو دوستوں کے ساتھ پارک میں جا کر کرکٹ، فٹ بال، بیڈ منٹن وغیرہ کھیل لیا۔ دل نہ بھی ہو تو کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ کھانے کے لیے باہر نکل جایا کریں، آؤٹنگ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ سوشل لائف کے بغیر خوش رہنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر کوئی سوشل لائف کے بغیر خوش رہتا ہے تو وہ خوشی کے حقیقی معنی و مفہوم سے آشنا نہیں ہے۔

پھر خوش رہنے کا ایک دینی اور روحانی تصور بھی ہے کہ کسی غریب مسکین کی مدد کر دیں تو آپ دل سے خوشی محسوس کریں گے۔ اپنے والدین کی خدمت کریں، ان کے پاؤں دبایا کریں، انہیں تحفہ دیا کریں، ان کے پاس بیٹھا کریں، ان کو وقت دیں، چاہے باتیں کرنے کو کچھ نہ بھی ہو تو بھی خاموشی سے بیٹھ جائیں کہ خاص طور بڑھاپے میں انہیں اپنی جوان اولاد سے وقت چاہیے ہوتا ہے نہ کہ روپیہ پیسہ۔ بہن بھائیوں، پڑوسیوں اور دوستوں کی کوئی مالی یا مادی ضرورت پوری کر دیا کریں تو اس سے بھی حقیقی خوشی حاصل ہو گی۔

استخارہ

بہت سے دوست استخارہ کے بارے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے، کیسے کیا جاتا ہے، کسی اور سے بھی کروا سکتے ہیں یا خود ہی کرنا ہے، اس کا نتیجے کیسے معلوم ہو گا، کوئی خواب آئے گا، کیا ہو گا، قرآن، تسبیح، اعداد سے بھی استخارہ ہو جاتا ہے یا نہیں، اور آن لائن استخارہ کروانے کا کیا حکم ہے؟

استخارہ کرنا سنت ہے اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو استخارہ کرنا یوں سکھاتے تھے کہ جیسے قرآن مجید کی کوئی سورت سکھلا رہے ہوں۔ استخارہ کا معنی اللہ سے خیر طلب کرنا ہے یعنی کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بندہ نماز اور دعائے استخارہ کے ذریعے اس میں اللہ سے خیر طلب کر لے۔ اگرچہ استخارے کی دعا میں ایسے الفاظ شامل ہیں کہ جن

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا میں بندہ اپنے پروردگار سے مشورہ لے رہا ہے لیکن اس کا مطلب صرف مشورہ ہی نہیں ہے بلکہ خیر طلب کرنا بھی ہے یعنی اے پروردگار! بس یہ کام کرنے کو میرا دل ہے، آپ اس میں خیر ڈال دیں اور اس میں اگر کوئی شر ہے تو اسے دور کر دیں۔

تو استخارے کے دو معانی ہوئے؛ ایک یہ کہ کوئی کام کرنے سے پہلے اللہ سے خیر طلب کرنا اور دوسرا یہ کہ اللہ سے مشورہ مانگنا۔ پہلی صورت میں اللہ پر مان ہے کہ اے اللہ! مجھے یہ چاہیے، جیسا بھی ہے، بس مجھے اس کا شر نکال کر اس کی خیر دے دے۔ اور دوسری صورت میں اللہ سے مشاورت ہے اور استخارے کی دعاء میں غالب پہلو مشاورت کا ہی ہے۔ استخارے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی وقت میں دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ کی حمد وثناء کے کلمات کہے، رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اور پھر استخارہ کی دعا پڑھے۔ اگر نہیں آتی تو اس کا متن (text) سامنے رکھ کر پڑھ لے۔ اور بہتر ہے کہ اس کا ترجمہ بھی سامنے رکھے تا کہ معلوم تو ہو کہ اللہ سے کیا بات کر رہا ہے۔ استخارے کے بعد سونا ضروری نہیں ہے، اور نہ ہی استخارے کا مطلب یہ ہے کہ خواب میں کوئی بابا جی آ کر آپ کی رہنمائی فرمائیں گے۔

اگر آپ استخارہ کی دعاء میں غور کریں، تو اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! اگر یہ کام میرے حق میں، میری دنیا، میری آخرت، میرے معاش، میرے ایمان کے لیے بہتر ہے تو آپ اس کو میرے لیے آسان فرما دیں، اس میں برکت ڈال دیں۔ اور اگر یہ کام میری دنیا اور آخرت، معاش اور ایمان کے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کام کو مجھ سے دور کر دیں، اور مجھے اس سے دور کر دیں، اور پھر اس کے بدلے میں اپنی جناب سے مجھے اس سے بہتر عطا فرمائیں۔ تو یہ استخارہ کی دعاء کا مفہوم ہے۔ تو استخارے کا نتیجہ خواب میں معلوم کرنے کی بجائے یہ دیکھیں کہ استخارہ کرنے کے بعد آپ کے ذہن کا رجحان اور دل کا میلان اس کام کی طرف ہے یا نہیں، اور یہی استخارے کا نتیجہ ہے۔

ہم میں سے ہر شخص خواب دیکھتا ہے اور روزانہ دیکھتا ہے، ہم یہ کرتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد جو الٹا سیدھا خواب آئے، اسے استخارے کا نتیجہ سمجھ کر اس سے تعبیر نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ بھی اہم ہے کہ اگر ہم کسی بارے سوچ رہے ہیں تو اس بارے رات خواب آنا تو معمول کی بات

ہے کہ انسان جو دن میں سوچتا ہے، رات خواب میں دیکھتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ استخارہ کے لیے صرف اپنے خواب کو بنیاد نہ بنائیں بلکہ ذہنی رجحان اور قلبی میلان کو دیکھیں۔ رہا قرآن مجید، تسبیح، اعداد و حروف اور آن لائن استخارہ وغیرہ تو یہ استخارے کی بدعات ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ کلام

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اپنے نیک بندوں عباد الرحمن کی صفات میں سے ایک اہم صفت کا تذکرہ ہوتے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل سے یہ دعا کرتے رہتے ہیں:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ [الفرقان: 74]

”اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں/شوہروں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا۔“

اپنی معمول کی دعاؤں میں اس دعا کو بھی ضرور شامل فرمالیں اور خاص طور ہر نماز میں تشہد کی حالت میں درود شریف کے بعد اس دعا کا اہتمام فرمائیں۔ ان شاء اللہ سے حالات پہلے سے بہتر ہو جائیں گے۔ اگر میاں بیوی ہی ایک دوسرے کے لیے سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک نہ بن سکے تو پھر دنیا بھر کی آسائش اور راحت ان کے کسی کام نہ آئے گی اور وہ کبھی بھی اندر کا سکون (inner peace) حاصل نہ کر پائیں گے۔ تو جب مسئلے کا کوئی حل نظر نہ آرہا ہو تو پھر دعاء ہی اس کا آخری حل ہے بلکہ پہلا حل بھی دعاء ہی ہے کہ یہ دعاء ہی ہے جو آپ کے مسائل کے مادی حل کو آپ کے لیے حل بنا دیتی ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞